

قرآن کا پیغام

اور اس کے علمی اسرار و عجائب

مولانا محمد شہاب الدین ندوی

مجلس نشریات اسلام
الکرے۔ سہناظم آبادیشن کراچی ۱۸
نزدہر فغانہ۔ ناظم آبادیہ

قرآن کا پیغام

اور اس کے علمی اسرار و عجائب

از

مولانا محمد شہاب الدین ندوی

مجلس نشریات اسلام کے ۳۰ ناظم آباد نیشن۔ ناظم آباد ۱۔ کراچی ۱۸

پاکستان میں جملہ حقوق طباعت و اشاعت
بحق فضل ربی ندوی محفوظ ہیں

نام کتاب	قرآن کا پیغام
تصنیف	مولانا محمد شہاب الدین ندوی
کتابت	محمد بشیر الدین بنگلوری
طباعت	شکیل پرنٹنگ پریس کراچی
ایڈیشن	۱۹۹۲ء
ضخامت	۸۰ صفحات
ٹیلیفون	۶۲۱۸۱۴

برائے اشتراک و تعاون

فرقانیہ اکیڈمی بنگلور

ناشر

فضلہ رحیمہ ندوی

مجلس نشریات اسلام ۱۔ ۷۔ ۳ ناظم آباد مینشن۔ ناظم آباد کراچی ۱۵

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱	مقدمہ	۱۱
	(۱) قرآن کا پیغام ہندی مسلمانوں کے نام	
۲	بنی اسرائیل اور اُمتِ مسلمہ	۱۹
۳	اللہ کا وعدہ پورا ہوتا ہے	۲۱
۴	موجودہ مشکلات کا انقلابی حل	۲۳
۵	مسلمانوں کے اصل ہتھیار	۲۴
۶	کلماتِ تکین و دل بستگی	۲۵
۷	ایک دوسری پیش گوئی	۲۷
۸	پیامِ عمل	۲۸
	ایک ابتلاء اور آزمائش	
۹	قرآن حکیم کی برگزینی	۲۹
۱۰	چند زندہ جاوید آیات	۳۰
۱۱	ایک حیرت انگیز مطابقت	۳۱
۱۲	اکثریت کا نقشہ	۳۳
۱۳	ایک بلیغ ربانی تبصرہ	۳۴
	پیغامِ نجات اور صوتِ سرمدی	

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۴	پیام تازہ	۲۴
۱۵	مسلمانوں کی کوتاہی	۲۵
۱۶	قرآن کیا ہے ؟	۲۶
۱۷	اللہ کا وعدہ	۳۷
۱۸	قانون ازل	۳۸
۱۹	خدا کی منصوبہ	۳۹
۲۰	راہ عمل	۴۰
	صحیفہ تاریخ کا فیصلہ	
۲۱	تاریخ کی شہادت	۴۲
۲۲	قرآن کا فیصلہ	۴۳
۲۳	قوموں کی عیاد	۴۴
	(۲) اسرار نبوت	
	سائنس فک نقطہ نظر سے	
۲۴	تمہید	۴۹
۲۵	نستیر فلکی	۵۰
۲۶	آفتاب کی روشنی	۵۱
۲۷	سورج کا ٹمپرچر	۵۲
۲۸	سورج کی کارفرمائی	۵۳
۲۹	سورج کی توانائی	۵۴

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۲۰	سورج کا نظم و ضبط	۵۳
۲۱	پانی کی کارفرمائی	۵۴
۲۲	سورج ایک ہرشتہ	۵۵
۲۳	قرآنی انکشاف	۵۶
۲۴	سورج ایک باد چڑی	۵۷
۲۵	اسباب اور مسبب الاسباب	۵۸
۲۶	آفتاب ہرفن مولا	۵۹
	آفتاب رسالت	
۲۷	صفات نبوی	۶۰
۲۸	منصب رسالت	۶۱
۲۹	اسلامی تعارف	۶۲
۳۰	نماز کا صحیح مقام	۶۳
۳۱	تصوف کیا ہے ؟	۶۴
۳۲	سنت رسول	۶۵
	چراغِ فلک اور چراغِ رسالت	
۳۳	دور روشن چراغ	۶۸
۳۴	دونوں میں مشابہت	۶۹
۳۵	رسالت ایک مستقل سرچشمہ	۷۱
۳۶	چند مزید حقائق	۷۲
۳۷	روشنی کا منارہ	۷۳

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
	(۳) اشتراکیت	
	ایک قرآنی تمثیل کے روپ میں	
۴۸	کتاب الہی کی تازگی	۷۵
۴۹	ہر دور کے لئے رہنما کتاب	۷۶
۵۰	ربانی انکشاف	۷۷
۵۱	ایک شیطانی تحریک	۷۸
	اشتراکیت کیا ہے ؟	
۵۲	جائیداد سے بے دخلی	۷۹
۵۳	جبر و استبداد	۸۰
۵۴	خوشنما نعرہ	۸۱
۵۵	فسوں کاری	۸۲
۵۶	سراپ حقیقت	۸۳
	اشتراکیت ، سرمایہ داری اور اسلام	
۵۷	اشتراکیت اور سرمایہ داری	۸۴
۵۸	اسلامی نظام زکاۃ	۸۵

بسم الله الرحمن الرحيم

مقدمہ

یہ کتاب میرے تین مقالات کا مجموعہ ہے جو فرقانیہ اکیڈمی کے ابتدائی دور میں اب سے تقریباً بیس سال پہلے الگ الگ کتابچوں کی شکل میں شائع ہو چکے ہیں۔ پہلا کتابچہ (قرآن کا پیغام) ہندی مسلمانوں کے نام) اب نایاب ہے، جو مولانا عبد الماجد دریابادی مرحوم کے دور میں ان کے مشہور ہفت روزہ "صدق جدید" میں بھی قسط وار شائع ہو چکا ہے۔ اور بقیہ دو کتابچے بھی قریب الختم ہیں، جو اس دور میں ہندو پاک کے کئی علمی رسائل اور جریدوں میں شائع ہو چکے ہیں۔ اور "اسرار نبوت" عربی میں بھی ترجمہ ہو کر عربی ماہنامہ البعث الاسلامی "لکھنؤ میں شائع ہو چکا ہے۔ ان مقالات میں جو نئے افکار ہیں اور جو حجت و بیدرت ہے اس کی بنا پر اہل علم نے ان کی خوب ستائش کی ہے۔ اور اسی بنا پر وہ علمی حلقوں میں بہت مقبول بنے۔ لہذا ضروری معلوم ہوا کہ اب تینوں کو ایک مجموعہ کی شکل میں دوبارہ شائع کر دیا جائے۔ کیونکہ ان کے اندر عصر جدید کے تعلق سے قرآن حکیم کا جو فکر انگیز پیغام اور معجزانہ ہدایت موجود ہے اس سے اہل اسلام مستفید ہوتے رہیں۔

ان مقالات کے ملاحظہ سے بخوبی ظاہر ہو گا کہ قرآن حکیم ہر دور کے لئے ایک ابدی و سرمدی پیغام ہے، جس میں اہل اسلام کو نہ صرف ہر دور کے تقاضوں کے مطابق حیرت انگیز ہدایت و رہنمائی ملتی ہے بلکہ وہ ہر دور کی گمراہیوں اور فتنوں کو بھی اپنی ابدی آیات کے ذریعہ کھول کھول کر بیان کرتا ہے، تاکہ اہل اسلام ان فتنوں سے بخوبی آگاہ ہو کر ان سے بچیں اور طاغوتی قوتوں اور ان کے پروگنڈوں سے متاثر نہ ہوں۔ بغیر اللہ کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑے رہیں اور خدائی ہدایات پر عمل کر کے دونوں جہانوں میں کامیاب اور شرفدار ہوں۔

چنانچہ پہلے مقالے میں چند قرآنی آیات اور اس کی پیشین گوئیوں کو مینا دینا کر دکھایا گیا ہے کہ آج دنیا بھر کے اور خصوصاً ہندوستانی مسلمان جس ابتلا و آزار و آفت کے دور سے گزر رہے ہیں اس کا تذکرہ کتاب الہی میں ایک انجلیازی انداز میں مذکور ہے۔ اور وہ اس وقت جن مصائب سے دوچار ہیں ان کی بھی ایک صحیح تصویر اس میں

مرفوم ہے۔ اور پھر اس ابتلاء و آزمائش اور ان مصائب سے نکلنے کا حل اور صحیح راستہ بھی انہیں بتا دیا گیا ہے۔ چنانچہ اس میں اہل اسلام کے لئے ایسی ہدایات مذکور ہیں جن پر عمل کر کے وہ موجودہ طوفانی بھنور سے باہر نکل سکتے ہیں۔ اسی طرح اس مقالے میں موجودہ ظالم و جابر قوموں کی نفسیات، اُن کے نشہ، افتداری کے گھنڈا اور اُن کے زعمِ باطل کا حال بھی قرآن میں اُصولی انداز میں مذکور ہے۔ اور اس سلسلے میں خُدا کی سُنّت کی وضاحت اس طرح کی گئی ہے کہ دقت آنے پر ظالم و جابر قوموں کا تختہ پلٹ دیا جائے گا اور اُن کی ساری تدبیریں اُلٹی ہو جائیں گی۔ چنانچہ صحیفہ تائیدِ حق کا فیصلہ اور اُس کی شہادت ہے کہ جو قومیں نشہ، افتداری میں مبتلا ہو کر ظالم و جابر بن جاتی ہیں اور جادہ اعتدال سے ہٹ کر اپنی رعایا اور اللہ کی مخلوق پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑنے لگتی ہیں اُن کا انجام ہمیشہ بُرا رہا ہے۔ گواہ اللہ کی مہلت اور چند روزہ دھیل کی وجہ سے وہ یہ سمجھنے لگ جاتی ہیں کہ انہیں کوئی پکڑنے والا نہیں ہے۔ لیکن جب اچانک خُدا کی لاشی حرکت میں آجاتی ہے اور خُدا کی فیصلہ صادر ہو جاتا ہے تو پھر وہ صفحہ ہستی سے میٹ دی جاتی ہیں گویا کہ اُن کا وجود اس دُنیا میں سرے سے تھا ہی نہیں۔ چنانچہ تاریخ کی شہادت کے مطابق رُوئے زمین پر ایسی کتنی ہی مغرور و متکبر قومیں اپنے انجامِ بد سے دوچار ہو چکی ہیں جن کی تباہی و بربادی پر آج کوئی آنسو بہانے اور ماتم کرنے والا بھی موجود نہیں ہے۔

بہر حال اس میں اہل ایمان کے لئے جس طرح اُن کی دل بستگی اور خُدا کی ہدایت و رہنمائی کو تھامنے اور اسے مضبوطی سے پکڑے رہنے کا پیغام ہے، اسی طرح اس میں ظالم و جابر قوموں کو ایک تنبیہ و انتباہ (وارینگ) بھی ہے کہ وہ افتداری کے نشہ سے مست ہو کر مخلوق خُدا پر ظلم و ستم کے پہاڑ نہ توڑیں۔ ورنہ انہیں اپنے انجامِ بد کا منتظر رہنا چاہئے۔

دوسرے مقالے میں اس حقیقت پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ موجودہ بگڑے ہوئے معاشرے کی اصلاح اگر ہو سکتی ہے تو وہ صرف اسلام کے ابدی پیغام کو اپنانے اور خاص کر سیرتِ رسول کی اتباع کرنے پر موقوف ہے۔ اور آج مسلمانوں پر جو بھی مُسببتیں آرہی ہیں وہ اللہ کے پیغام اور اُس کے نبی کی سیرتِ پاک کو نظر انداز کرنے ہی کی بدولت ہے۔ لہذا موجودہ ہستی اور نړیوں حالی سے نکلنے کا واحد راستہ یہ ہے کہ وہ پیغامِ خُداوندی پر کان دھریں اور پورے اخلاص کے ساتھ اس پر عمل کریں۔

اس طرح یہ مقالہ پہلے مقالے کا تتمہ اور ضمیمہ ہے۔ یعنی پہلے مضمون میں مسلمانوں کو جو اجمالی پیغام دیا گیا تھا اُس کی تفصیل اس میں آگئی ہے کہ اللہ کے پیغام پر عمل کرنے کا صحیح مطلب یہ ہے کہ مسلمان سیرتِ رسول کو اپنا دُعا بنائیں اور قرآن و حدیث پر پوری طرح کاربند ہو جائیں۔ مگر قرآن چونکہ ایک حکیمانہ اور سائنٹفک قسم کا کلام ہے اس لئے اُس کا ہر حکم اور اُس کی ہر ہدایت بھی عقلی و سائنٹفک قسم کی اور بالکل نرلے انداز میں ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ اپنے احکام و ہدایات تشک و اعطائے اور نراہدائے یا تحکمانہ انداز میں نہیں بلکہ فطری و عقلی اور دلنشین قسم کے دلائل کی روشنی میں اس طرح پیش کرتا ہے گویا کہ ایک نہایت درجہ حکیم و دانشمند شخص یا کوئی مشفق و مہربان اُستاد اپنے شاگردوں کو اپنی ہر بات حکیمانہ اور عقلی انداز میں سمجھا رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک فطری، مؤثر، مُقتل اور پیار بھر اندازِ بیان ہے جس کا نظارہ ہمیں دنیا کے کسی بھی دوسرے مذہبی صحیفے میں دکھائی نہیں دیتا۔ اور اس اعتبار سے قرآن کا پیغام علم و عقل، حکمت و دانش مندی اور نظامِ فطرت کے اُصولوں سے بھرپور اور مضبوط و مستحکم عقلی دلائل سے مزین ہے جو ایکٹ اُنکھا اور اپنے طرز کا واحد کلام ہے۔ اور اس میں ذرا بھی مبالغہ نہیں ہے

بہر حال اس مقالے میں بعض قرآنی آیات کی سائنٹفک نقطہ نظر سے تشریح و تفسیر کی گئی ہے، جن کے مطابق سیرتِ رسول اور اُس کے منصب و مرتبے پر ایک نئی روشنی پڑتی ہے اور اس کلامِ ابدی کا ایک نیا مُردِ ظاہر ہوتا ہے، جو نوعِ انسانی کو مہبوت و مستحضر کر سکتا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کتابِ حکمت میں ہر دور کی عقلیت و ذہنیت کے مطابق رہنمائی کرنے کی زبردست صلاحیت موجود ہے، جو اس کے من جانب اللہ ہونے کی بھی ایک روشن ترین دلیل ہے۔ اور قرآن میں اس طرح کے حقائق اور ”علمی اسرار“ اس لئے مذکور ہیں تاکہ انسان اُس کے من جانب اللہ ہونے کا یقین کرے کہ اس کو مضبوطی سے تھام لے۔

تیسرا مقالہ اشتراکیت یا کمیونزم سے متعلق ہے، جس کی حقیقت و ماہیت اور اُس کے بھیاک و مکروہ چہرے کی ایک صحیح تصویر ایک تفصیل کے رُوپ میں قرآنِ حکیم میں مذکور ہے۔ جس کے ملاحظہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اشتراکیت (کمیونزم) اپنے مکمل و مجتم شکل میں ہمارے سامنے موجود ہے۔ چنانچہ اس کے ہو ہو خدوخال یا اُس کے چہرے کی ایک قلبی تصویر ہمارے سامنے اس طرح آتی ہے کہ حقیقت اور واقعہ میں ذرا بھی فرق دکھائی نہیں دیتا۔ ظاہر ہے کہ اتنی صحیح اور سچی تصویر وہی پیش کر سکتا ہے جو مستقبل میں پیش آنے والے تمام احوال و کوائف سے

بخوبی واقف ہوا اور جس کے علم میں ایک نیکے برابر بھی کمی بیشی نہ ہو سکتی ہو۔ اس اعتبار سے اس بحث سے دو بنیادی حقیقتیں ثابت ہوتی ہیں: ایک یہ کہ اس کائنات میں ایک ایسی ہمہ دان اور باخبر ہستی کا وجود ضرور ہے جس کا علم کائنات کی ہر چیز اور ماضی، حال و مستقبل کے ہر واقعے پر محیط ہے۔ اور دوسرے یہ کہ اُس کے کلامِ ابدی یعنی قرآن مجید میں مستقبل میں پیش آنے والے تمام فتنوں اور خطروں سے اُمتِ مسلمہ کو آگاہ و باخبر کر دیا گیا ہے تاکہ وہ طاغوتی اور شیطان فتنوں سے آگاہ و باخبر ہو کر ان سے چوکتا رہیں اور کلامِ الہی کی صداقت کا یقین کر کے اس کی ہدایت کی طرف پوری طرح راغب ہو جائیں۔ اس قسم کے حقائق و واقعات میں اہل اسلام کو یہی بنیادی پیغام دیا گیا ہے۔

ہر حال قرآن مجید کے ذریعہ چودہ سو سال پہلے جو عظیم پیشین گوئی کی گئی تھی وہ آج لفظ بلفظ پوری ہو چکی ہے۔ اور اشتراکیت اپنی تمام فتنہ سامانیوں کے ساتھ ظاہر ہو کر کلامِ ابدی کی تصدیق و تائید کر چکا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ عصرِ جدید کی گمراہ کن تحریکوں اور ازموں میں اشتراکیت نہایت درجہ خطرناک تحریک اور بدترین ازم ہے۔ جس کے اصل اور بھیانک چہرے پر خوشنامہ نعروں اور فریب کاریوں کا لیل چڑھا دیا گیا تھا۔ مثل مشہور ہے کہ ہاتھی کے دانت دکھانے کے اور ہوتے ہیں اور کھانے کے اور۔ یہ ضرب المثل اشتراکیت پر پوری طرح صادق آتی ہے۔ جبر و تشدد، ٹوٹ کھسوٹ، قتل و غارتگری، سفاکی و بربریت اور لاقانونیت اس تحریک کے بنیادی عناصر ہیں، جس کا ایک نظارہ اب سے کوئی تئیس صدی پہلے علاوہ رُکنا اور چین کے مغربی بنگال میں بھی (کسلیوں کی تحریک کی شکل میں) کیا جا چکا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اشتراکی فتنہ نزع انسانی کو ایک ذیوی عذاب میں مبتلا کر کے لاکھوں کروڑوں انسانوں کے خون سے اپنی پیاس بجھا چکا ہے۔ مگر اب وہ پوری طرح دم توڑ کر اپنی ناکامی کا اعلان و اعتراف کر چکی ہے۔ اشتراکی روس و چین نے جس ”سرخ“ ”جنت“ کا اپنے عوام سے وعدہ کیا تھا وہ ایک خواب پریشان بن گیا اور اُس کی تعبیر بالکل اُلٹی ہو گئی ہے۔ اب کمیونزم کی ناکامی ایک تاریخی حقیقت ہے، جیسا کہ روس کے موجودہ صدر گورباچوف کے تابانہ یا ”باغیانہ“ اعلانات اور اُن کی نئی نئی اصلاحات سے ظاہر ہوتا ہے۔ حالانکہ ابھی کچھ عرصہ پہلے تک (فصلاً روس کے سابق وزیر اعظم خروشیف کے دور میں) اشتراکیت کا اتنا زور تھا اور اس کے اتنے دم خم

تھے جن کو دیکھتے ہوئے اُس وقت ایسا محسوس ہوتا تھا گویا کہ وہ ساری دنیا کو فتح کر کے رہے گی اور پھر سالے عالم پر اپنا جھنڈا لہرائے گی۔ چنانچہ اپنے مذموم مقاصد کو حاصل کرنے اور عوام کو گمراہ اور بے وقوف بنا کر اپنا اُتو سیدھا کرنے کی راہ میں وہ سالے ہتھکنڈے آزمائے گئے جو ممکن ہو سکتے تھے۔ اور دوسری طرف جبر و تشدد کے ذریعہ لاکھوں کروڑوں انسانوں کا خون ناحق بہایا گیا۔ ایک تازہ رپورٹ کے مطابق سابق روسی ڈکٹیٹر ارشل اسٹالن نے اپنے دورِ حکومت میں کوئی دو کروڑ آدمیوں کو مر دایا اور انہیں ٹھکانے لگا دیا، جیسا کہ موجودہ صدر گورباچوف کے اقدامات کے نتیجے میں ظاہر ہونے والے تازہ حقائق و انکشافات سے پتہ چلتا ہے۔ اور اُس دور میں پورا ملک جبری کمپوں میں تبدیل کر دیا گیا تھا۔ مگر وہ نظام جو لاکھوں کروڑوں انسانوں کی لاشوں پر بنا تھا وہ بالآخر ہودا اور کھوکھلا ثابت ہو کر اپنی موت آپ مر گیا۔ کیونکہ وہ فطرت کے خلاف ایکٹ بغاوت تھی۔ ظاہر ہے کہ فطرت کے خلاف بغاوت یا جنگ کرنے والوں کو شکست سے دوچار ہونا اور ہتھیار ڈالنا ہی پڑتا۔ اس طرح کارل مارکس، اینگلز، لینن اور اسٹالن کے سپنے پوری طرح ٹوٹ چکے ہیں اور اُن کے ”سرخ“ خواب چکن چور ہو کر رہ گئے ہیں۔ اس لحاظ سے اشتراکیوں کا حیفہ ”داس کیپٹل“ (کارل مارکس کی وہ کتاب جس میں اشتراکیت کا فلسفہ پیش کیا گیا ہے اور وہ اشتراکیوں کے نزدیک ”زبور اشتراکیت“ کی سی حیثیت رکھتی تھی) اب عجائب گھر کی زینت بن چکا ہے۔ غرض اشتراکیت پوری طرح ناکام اور اشتراکیوں کے سالے منصوبے خاک میں مل گئے ہیں۔

بقول اقبال اشتراکیت یا کمیونزم دراصل انسانی حرص و آرزوی کا ایک نیا روپ اور طمع و لالچ ہی کا ایک جدید ایڈیشن ہے۔ ہوس رانیوں کی یہ کہانی دلچسپ بھی ہے اور سب آموذ بھی۔ قرآن حکیم نے اپنے زندہ جاوید صفحات میں یہ کہانی ایک تخیل کے رُوپ میں پیش کر کے اشتراکیت کی مکر وہ اور بھیانک تصویر کو برے ہی فنکارانہ انداز میں نمایاں کیا ہے، جو اُس کا ایک حیرت انگیز اعجاز ہے۔

یہ مقالہ اب سے بیس سال پہلے لکھا گیا تھا اور اس میں بحث بھی اُسی دور میں پیش آنے والے واقعات کو بنیاد بنا کر کی گئی ہے، جب کہ خاص کر جنوب مشرقی ایشیا اور مشرق وسطیٰ اشتراکیت کی زد میں تھے۔ مگر اُس دور میں باوجود اشتراکیت کے ”ظاہری دبدبے“ کے اصلاحات کا بھی دور شروع ہو گیا تھا، جیسا کہ اس مقالے کے

مباحث سے ظاہر ہو گا۔ مگر یہ اطلاعات اب ایک مکمل حقیقت بن چکے ہیں۔ بہر حال بیس سال پہلے لکھے ہوئے اس مقالے کو بذریعہ ترمیم کے (سوائے ایک مقام کے جہاں پر ایک قرآنی لفظ کا مفہوم درست کر دیا گیا ہے) جوں کا توں شائع کیا جا رہا ہے، جس کی وجہ سے اس کے بعض تاریخی حدود خال کو سمجھنے میں بھی مدد مل سکتی ہے۔ اور اس اعتبار سے اس بحث کی ایک تاریخی اہمیت ہو گئی ہے۔

حاصل یہ کہ اس مقالے سے قرآنی بیانات کی قدر و قیمت ظاہر ہوگی کہ خدائی کلمات پھر کی لکیر کی طرح ہر دور میں کس طرح صادق آسکتے اور کس طرح نوبہ انسانی کے لئے ایک لمحہ فکریہ فراہم کر سکتے ہیں۔ یہ قرآن عظیم کی بے مثال ولایت و رہنمائی کا ایک نمونہ ہے کہ وہ ہر دور میں نہ صرف نوبہ انسانی کی رہنمائی کر سکتا ہے بلکہ خود اپنی صداقت و سچائی کے نئے نئے روپ اور نئے نئے دلائل و شواہد بھی فراہم کرتا رہتا ہے۔ تاکہ نوبہ انسانی اُس کی صداقت و سچائی کا نظارہ کر کے اُس کی ہدایت و رہنمائی کی طرف متوجہ ہو سکے۔ لہذا ایسے عظیم وجہ مثال کلام سے غافل رہنا یا اُسے پڑانے دور کی ایک فرسودہ کتاب تصور کر کے نظر انداز کرنا بہت بڑی محرومی اور بد نصیبی کی بات ہے۔

إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْلَمُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا كَبِيرًا. وَإِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا: یہ قرآن بلاشبہ وہ راہ دکھاتا ہے جو سب سے زیادہ سیدھی ہے۔ اور جو اچھے عمل کرتے ہیں اُن کو ایک بہت بڑے اجر کی خوشخبری سناتا ہے۔ اور جو لوگ (ہماری بات کا یقین کر کے) آخرت پر ایمان نہیں لاتے ان کے لئے ہم نے ایک دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ (اسرا: ۹-۱۰)

هَذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ: یہ پوری نوبہ انسانی کے لئے وضاحت نامہ ہے اور اللہ والوں کے لئے ہدایت و موعظت۔ (آل عمران: ۱۳۸)

محمد شہاب الدین ندوی

۱۳۰۹/۵/۲۳ ھ

۱۹۸۹/۱/۳

قرآن کا پیغام ہندی مسلمانوں کے نام

بنی اسرائیل اور اُمتِ مسلمہ

یوں تو آج پوری دنیا میں اسلام کے نام لیواؤں پر عرصہ حیات تنگ ہوتا جا رہا ہے۔ مگر خصوصیت کے ساتھ ہندوستانی مسلمان جس ظلم و تم، شقاوت و تنگ نظری، تعصب اور جارحانہ فرقہ پرستی کا شکار ہو کر ہر طرف شطرنج کے مہروں کی طرح پٹ رہے ہیں، اس کی مثال ملنی دشوار ہے۔ یہ ایک المیہ اور ٹریجڈی نہیں تو پھر کیا ہے کہ وہ قوم جس نے دنیا کو مساوات و وسعت قلبی، صلح و آشتی اور عدل و انصاف کے اسباق پڑھائے تھے اور سالے جہاں کو درس انسانیت دیا تھا، وہ خود آج بدترین قسم کے تعصب کا شکار ہو کر ذلت و نکت اور شقاوت و بربریت کی جتنی میں پس رہی ہے۔

_____ واقعہ یہ ہے کہ اُمتِ مسلمہ خدا کی نام لیوا ہونے کے باوجود آج اس کے اکثر افراد خدا فراموشی اور عام اخلاقی بُرائیوں میں بالکل اسی طرح مبتلا ہیں جس طرح کسی زمانے میں بنی اسرائیل مبتلا تھے۔ ایک وقت تھا کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو سالے جہاں پر فضیلت دے رکھی تھی:

يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ إِذْ كُنَّا نَبْعَثُكَ الْبَنِي أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَإِنِّي فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْخَالِقِينَ: لے اولادِ اسرائیل یاد کرو میری اس نعمت کو جس سے میں نے تم کو سرفراز کیا تھا اور سلا جہاں پر تم کو فضیلت بخشی تھی۔ (بقرہ: ۴۷)

بنی اسرائیل کی اس فضیلت کی وجہ یہ بھی کہ ان میں نبوت و رسالت کا سلسلہ جاری کر کے انہیں رشد و ہدایت کا امام بنایا گیا تھا۔ چنانچہ جب تک وہ ربانی ہدایت کے داعی اور پیامبر رہے ان کی یہ فضیلت بھی برقرار رہی اور جب انہوں نے یہ امتیازی خصوصیت ترک کر دی تو ان پر دائمی ذلت و نکت مسلط کر دی گئی۔

وَضَرَبْتُ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةَ وَالْمَسْكَنَةَ وَبَاءُوا بِغَضَبٍ مِنَ اللَّهِ ذَلِكُمْ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ذَلِكُمْ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ : اور ان پر ذلت و بے چارگی مسلط کر دی گئی اور وہ غضب الہی کے مستحق ہو گئے۔ یہ اس وجہ سے ہوا کہ وہ آیات الہی کا انکار کرتے اور ناحق نبیوں کو قتل کرتے تھے۔ (یہ انکار آیات اور قتل انبیاء) اس وجہ سے تھا کہ وہ نافرمانی میں حد سے بڑھ گئے تھے۔ (بقرہ : ۶۱)

وہ قوم جو بام رفقہت پر نافرمان تھی ان کی آن میں اس کو پستی و انحطاط کے تحت الٹری میں کھیل دیا گیا اور اس کی جگہ اُمتِ محمدی کو نامزد کر کے دنیا کی امامت کا سہرا اُس کے سر باندھا گیا۔ مگر انھوں نے کہ یہ "اُمتِ وسط" بھی بہت جلد اپنے مقصد اور راستے سے ہٹ گئی۔ اور آج اللہ کی نافرمانی اور انکار آیات میں اُس کا بھی وہی حال ہے جو کسی دور میں بنی اسرائیل کا تھا۔ اسی وجہ سے وہ چاروں طرف سے دشمنوں کے زخموں میں پھنسی ہوئی ہے۔ کبھی اُس پر صلیبیوں اور تانہ بازیوں کی یلغار ہوتی ہے تو کبھی اشتراکیوں کی چڑھاہٹ۔ کبھی اُس پر کفار و مشرکین حملہ آور ہوتے ہیں تو کبھی سامراجی اور صیہونی ہڈ بول دیتے ہیں۔ یہ زبوں حالی اُس وقت تک باقی و برقرار رہے گی جب تک کہ اللہ کی نافرمانی اور دینِ حق سے برگشتگی جاری رہے گی۔ خدا نے ہزاروں سال قبل بنی اسرائیل سے جو وعدہ کیا تھا وہ آج بھی اپنی جگہ برقرار ہے :

وَأَوْفُوا بِعَهْدِي أُؤْفِقْ بَعْدَكُمْ : اور تم میرا عہد پورا کرو۔ میں تمہارا عہد پورا

کروں گا۔ (بقرہ : ۴۰)

یعنی اگر تم میری وفاداری کرتے رہے تو میں بھی تمہیں دنیا میں عزت و اقبال مندی عطا کروں گا ورنہ تمہیں ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ تاریخ شاہد ہے کہ اس خدائی عہد کو توڑنے کے باعث بنی اسرائیل اپنی پوری قومی زندگی میں عزت و ذلت و رسوائی سے دوچار ہوئی۔ ۵۸۶ قبل مسیح میں بابل کے بادشاہ بخت نصر نے بیت المقدس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور بنی اسرائیل کو خوب ترہ تیغ کیا اور بچے کچے افراد کو قیدی و غلام بنا کر بابل لے گیا، جہاں پر پوری نصف صدی تک انہیں قید و بند اور

دار و رس کے مصائب برداشت کرنے پڑے۔ پھر سائرس کے عہد میں جب ان کو رہائی نصیب ہوئی تو بیت المقدس کی باز آباد کاری عمل میں آئی اور ان کی قسمت کا ستارہ دوبارہ چمکا۔ مگر اس وقت بھی انہیں تنبیہ و انتباہ کے طور پر کہا گیا :

إِنْ أَحْسَنْتُمْ أَحْسَنْتُمْ لِأَنْفُسِكُمْ وَإِنْ أَسَأْتُمْ فَلَهَا : اگر تم بھلائی کرو گے تو اپنے ہی لئے کرو گے، ورنہ اگر بُرائی کرو گے تو بھی اپنے ہی لئے۔ (بنی اسرائیل : ۷)

وَإِنْ عُدْتُمْ عُدْنَا : اگر تم وہی کرو گے تو ہم بھی وہی کریں گے۔ (بنی اسرائیل : ۸)

یعنی اگر تم نے پھر بد اخلاقی و بد عمل اور بغاوت و سرکشی کی روش اختیار کی تو ہم بھی پھر تمہاری سرکشی کریں گے۔ اور سزا دینے میں نہیں چوکیں گے۔ چنانچہ ان کی دوبارہ سرکشی و بد کرداری کی بنا پر سن ۷۰ میں دوسری مرتبہ بنی اسرائیل کو رومی فرما زدا ٹیٹس TITUES کے ہاتھوں بڑی زبردست اور ہولناک تباہی سے دوچار ہونا پڑا۔ اس طرح بنی اسرائیل کی قومی تاریخ متعدد تباہیوں اور بربادیوں کا مرقع رہی ہے۔ اور آج اُمتِ محمدی کا بھی بالکل یہی حال ہے کہ وہ بھی اپنی بد اعمالیوں اور سیاہ کاریوں کے باعث گاجر مولیٰ کی طرح کاٹ کر پھینکی جا رہی ہے۔

وَيَذَلُّ الْأَيَّامُ تُدَاوِلُهُا بَيْنَ السَّائِسِ : اور ان ایام کو ہم لوگوں کے درمیان اُلٹ

پھیر کرتے رہتے ہیں۔ (کبھی ان کی باری ہے تو کبھی ان کی باری)۔ (آل عمران : ۱۴۰)

دیکھو مجھے جو دیدہ عبرت نگاہ ہو

اللہ کا وعدہ پورا ہوتا ہے

قرآن مجید چودہ سو سال قبل ہی اپنا یہ اہل فیصلہ سنا چکا ہے کہ مسلمانوں پر ان کی بد عملی کے باعث ایک ایسا نازک اور صبر آزما وقت ضرور آنے والا ہے جب ایک طرف ان کی جان و مال پر بن آئے گی تو دوسری طرف ان کو کفار و مشرکین اور اہل کتاب کے طعن، دل آزاریاں اور طرح طرح کے الزامات بھی سننے پڑیں گے چنانچہ ازلی فیصلہ قرآن کریم میں قطعی و حتمی اسلوب میں اس طرح مرقوم ہے :

لَتُتْلَوْنَ فِي أَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ وَلَتَسْمَعَنَّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ

مِنْ قَبْلِكُمْ وَمَنْ أَلَدَيْنَ أَشْرَكُوا أَذَى كَثِيرًا وَأَنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ ذَلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ: (اے مسلمانو! سن رکھو کہ) تم اپنی جانوں اور مالوں میں ضرور آزمائے جاؤ گے۔ اور تم اہل کتاب اور مشرکین سے بہت سی دل آزاری کی باتیں بھی ضرور سناؤ گے۔ اگر تم ثابت قدم رہو اور خدا سے ڈرتے رہو تو یہ بلند ہمتی کا کام ہوگا۔ (آل عمران: ۱۸۶)

یہ قرآن حکیم کی زندہ جاوید آیات میں سے ایک ہے جو ایک قابل لحاظ پیش خبری کی شکل میں موجود تھی مگر اب اس کی صداقت پوری طرح ظاہر و باہر ہو چکی ہے۔ یوں تو تاریخی اعتبار سے اہل اسلام کو اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ سے کافی نقصان پہنچ چکا ہے۔ مگر در رسالت کے بعد مشرکین (الَّذِينَ أَشْرَكُوا) یا ہندوؤں سے ناک اٹھانا ایک تازہ ترین خبر ہے۔

یہ آیت کریمہ آج ہندوستانی مسلمانوں کے حالات کی منہ بولتی تصویر ہے۔ اور موجودہ حالات و واقعات کے پیش نظر ایسا لگتا ہے کہ یہ آیت کریمہ آج ہی اور ابھی ابھی نازل ہوئی ہے جو خصوصیت کے ساتھ ایک حیثیت سے ہندوستانی مسلمانوں کے حالات کی ترجمانی کرتی ہے تو دوسری حیثیت سے موجودہ عرب ممالک کی زبوں حالی کی بھی عکاسی کر رہی ہے۔ کیونکہ ہندوستانی مسلمانوں کو مشرکین سے سابقہ پڑا ہے تو عرب ممالک کو یہودیوں اور عیسویوں (اہل کتاب) سے یہ آیت کریمہ ایک وقت ان دونوں شتوں کی جامع اور ایک حیرت انگیز کلیہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

اس آیت کریمہ کے الفاظ اور اس کے معانی و مطالب پر ایک نظر ڈالئے تو آپ پر کلام خداوندی کا اعجاز منکشف ہو جائے گا۔ چنانچہ تاکید رکھا جا رہا ہے کہ تمہاری آزمائش دو چیزوں میں ہو کر رہے گی۔

۱۔ مال و متاع اور اطاک و جاسد کا نقصان،

۲۔ افزائش و کثرت و خون۔

اس کے علاوہ ایک تیسری چیز کی بھی خبر دی گئی ہے کہ محض تمہارے مالوں اور جانوں ہی کا نقصان نہیں ہوگا بلکہ تم کو بہت سی دل آزاری کی باتیں بھی ضرور سننی پڑیں گی۔ اس دل آزاری کی باتوں میں دین کی تحقیر، فی شام کی تضحیک، پیغمبر کی توہین، بزرگانِ ملت کا استہزاء، قومی روایات کا مٹھکا اور ہر قسم کا

لعن طعن داخل ہو جاتا ہے، جس سے کج ہندستان کے اکثریتی فرقے کے انتہا پسندوں کے ہاتھوں ہندوستانی مسلمان اور یہودیوں اور عیسائیوں (اسرائیل اور یورپ و امریکہ کے باشندوں) کے ہاتھوں عرب ممالک دوچار ہیں۔ یہی تین باتیں ہیں جن کی اس آیت شریفہ میں خبر دی گئی ہے اور یہ تینوں باتیں آج پوری طرح صادق آچکی ہیں۔ آج اہل اسلام کو جو بھی نقصان پہنچ رہا ہے وہ انہی تین امور میں محصور ہے۔

موجودہ مشکلات کا انقلابی حل

یہ آیت پاک نہ صرف ایک عظیم پیش خبری ہے۔ جو پوری ہو چکی ہے۔ بلکہ حیرت انگیز طور پر ایک زبردست پیامِ عمل اور بشارت بھی ہے جو موجودہ مسلمانوں کو اپنی ذلت و مسکنت کے طوفانی بھنور سے نکل باہر آنے کے لئے ایک انقلابی حل کی حیثیت رکھتی ہے۔ چنانچہ اس میں دو ایسی اصولی ہدایات درج ہیں جو موجودہ جان بلب مسلمانوں کے لئے تریاقِ کاحکم رکھتی ہیں اور ان میں پورے دین کی نفع اور اس کا جوہر و غلامہ بھی آگیا ہے۔ گویا کہ پورے اسلام کا عطر کشید کر لیا گیا ہے۔

۱۔ مصائب و آفات سے گھبرائے بغیر دین حق اور اس کے احکام پر سختی اور ثابت قدمی کے ساتھ جمے رہنا اور حالات سے عزم و حوصلہ اور بیدار مغزی کے ساتھ پنہ آزمائی کرتے رہنا۔ اس کا نام اسلامی اصطلاح میں ”صبر“ رکھا گیا ہے: (وَأَنْ تَصْبِرُوا.....)

۲۔ اللہ سے ہر حال میں ڈرتے رہنا اور بُرائیوں کے خازن سے اپنا دامن بچائے رکھنا۔ بالفاظِ دیگر خدا کے وجود کے عقیدے کو محض معبود اور منبر و محراب تک ہی محدود نہ کرتے ہوئے پورے کارزارِ عمل اور جو میں گھنٹوں دالی زندگی میں خدا کے حاضر و ناظر ہونے کے عقیدے کو مستحضر رکھنا۔ اس کے بغیر دنیا سے بُرائیوں کا خاتمہ نہیں ہو سکتا اور انسان کا کردار و کیر کمر درست نہیں ہو سکتا۔ اسی کا نام اسلامی اصطلاح میں ”تقویٰ“ ہے۔ (..... وَتَتَّقُوا) جس کے لغوی معنی ڈرنے اور بچنے کے ہیں۔ یعنی اللہ سے ڈرتے رہنا اور بُرائیوں سے بچتے رہنا۔ تقویٰ کا صحیح مطلب ہے دنیا جہاں والوں کی وفاداریوں سے منہ موڑ کر محض اللہ کے وفادار بنے رہنا۔ اور صبر کا صحیح مطلب ہے، اس وفاداری (تقویٰ) پر ڈٹے اور جمے رہنا۔ آج کل عام طور پر صبر کا جو مفہوم چل پڑا ہے، یعنی کسی نصیب یا ظلم کو آنکھیں کرتے ہوئے اُٹھ کر بھی نہ کہنا۔ اس کی کوئی اصل نہیں۔

یہ ہے "وَأَنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا" کی اصل حقیقت۔ جب تک کسی اُمت میں یہ دو روحانی صفات موجود و برقرار رہتی ہیں وہ منصب خلافت پر قائم اور دنیا کی امام بنی رہتی ہے۔ مگر جب ان صفات میں اضمحلال پیدا ہو جاتا ہے اور وہ پامال ہونے لگتی ہیں تو پھر وہ اُمت بھی زوال و انحطاط کی جگہ پر پہنچ جاتی ہے۔ یہ خدائے تعالیٰ کا ازلی وابدی فیصلہ ہے، جس میں کبھی رد و بدل نہیں ہوتا۔ اسی لئے ان صفات کو اُولو العزى کے کام کہا گیا ہے۔ (رَأَى ذَلِكَ مِنْ عِزِّ الْأُمُورِ) اور یہی وجہ ہے کہ تقویٰ اور صبر کی جگہ جگہ فضیلت وارد ہوئی ہے۔

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَى : خدا کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ اُس سے ڈرنے والا ہو۔ (حجرات : ۱۳)

إِنَّهُ مَنْ يَتَّقِ وَيَصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِلُّهُ أَجْرَ الْحَسَنَاتِ : حقیقت یہ ہے کہ جو کوئی تقویٰ اختیار کرے گا اور ثابت قدم رہے گا تو اللہ ایسے محسنوں کا اجر ضائع نہیں کرے گا۔ (یوسف : ۹۰)

وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ أُولَئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ : (اور انہی کے دراصل اُن لوگوں کی ہے) جو تنگی، مصیبت اور جنگ کے وقت ثابت قدم رہنے والے ہوں۔ یہی سچے لوگ ہیں اور یہی صاحب تقویٰ ہیں۔ (بقرہ : ۱۷۷)

مسلمانوں کے اصل ہتھیار

صبر و تقویٰ مسلمان کے دو زبردست ہتھیار ہیں، جن کے ذریعہ وہ پوری دنیا کو زیر کر کے اُس کی کاپالٹ کر سکتا ہے، خواہ دشمن کتنا ہی قوی اور زبردست کیوں نہ ہو۔ یہ خدا کا وعدہ ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے :

وَأَنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُ هُمْ شَيْئًا وَأَنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ خَبِيرٌ : اور اگر تم صبر و تقویٰ اختیار کئے رہو تو تم کو (اپنی کتاب کا) نفعیہ داؤ گھات کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ کیونکہ اللہ ان کے اعمال اور تمام کاروائیوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ (لہذا وہ اُن کی چالوں کو ناکام بنا دے گا۔) (آل عمران : ۱۲۰)

حاصل یہ کہ ان دو صفات کو اپنے اندر پیدا کئے بغیر "خلافتِ ارضی" کے میدان میں کامیابی و کامرانی کا حصول ممکن نہیں۔ اور ان دو صفات کو اپنے اندر پیدا کرنے کے لئے بہت زیادہ جدوجہد کی ضرورت ہے۔ کیونکہ یہ دو صفات نہ صرف دین اسلام کا جوہر اور اُس کا خلاصہ ہیں، بلکہ پورے فلسفہ تاریخ کا عطر اور اُس کا بخور بھی ہیں، جن پر کسی بھی قوم کے عروج و زوال کا دار و مدار ہے۔ اسی بنا پر زیر بحث عظیم آیت (آل عمران : ۱۸۶) میں صبر و تقویٰ کو بلند ہستی اور اُولو العزى کے کام کہا گیا ہے۔ لہذا ان صفات کو حقیر و معمولی سمجھ کر نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔

تاریخ اسلام کی تمام معجزانہ کامیابیاں، صحابہ کرام کی ساری کشورکشاہیاں اور قرونِ وسطیٰ کے مسلمانوں کے کل شاندار کارنامے انہی دو جادو بھری صفات کا نتیجہ تھے، جن کے ذریعہ انہوں نے پوری دنیا کو مسخر کر لیا۔ واقعہ یہ ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے نہیں بلکہ تقویٰ اور اخلاق و کردار کی عظمت اور تجلیوں کی بدولت پھیلا ہے۔

کلمات تسکین و دل بستگی

مذکورہ بالا عظیم و ناقابلِ فراموش آیت (آل عمران : ۱۸۶) آج ایک عداوتی تازیانہ بن کر موجودہ مسلمانوں کو بیدار کر رہی ہے۔ نیز وہ اپنے جلو میں یہ پیام حیات اور نوید تازہ بھی لائی ہے کہ مسلمان — خواہ وہ ہندی ہوں یا عرب — کفار و مشرکین اور یہود و نصاریٰ کے زبردست پروگنڈہ اور دامِ تزویر میں نہ آئیں اور کبھی اُن کے سامنے ہتھیار نہ ڈالیں۔ جیسا کہ ایک دوسرے موقع پر فرمایا گیا ہے :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَطِيعُوا الَّذِينَ كَفَرُوا يَزِيدُوا كُفْرَهُمْ عَلَى أَفْئَاتِهِمْ فَتَقْلِبُوا خَاسِرِينَ۔ بَلِ اللَّهُ مَوْلَاكُمْ وَهُوَ خَيْرُ النَّصِيرِينَ۔ سَتَلْقَىٰ فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّغْبَ بِمَا أَشْرَكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزَّلْ بِهِ سُلْطَانٌ وَمَا وَهُمْ إِلَّا شَارُوا نَفْسِهِمْ الظَّالِمِينَ : اے ایمان والو ! اگر تم کافروں کی بات مان لو گے تو وہ تم کو ایڑیوں کے بل لوٹا دیں گے۔ (یعنی تم کو تمہارے دین سے برگشتہ کر دیں گے) پھر تم گھائے میں رہ جاؤ گے۔ اللہ تمہارا حامی و مددگار ہے اور وہ بہترین مددگار ہے۔ (چنانچہ) ہم عنقریب ان کافروں کے

دلوں میں رعب ڈال دیں گے، ان کے شرک کی بنا پر جس کی اللہ نے کوئی دلیل نہیں اتاری ہے۔ (یعنی علمی حیثیت سے شرک کی کوئی دلیل بن نہیں سکتی) اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہے، جو ناحق کوششوں کے لئے بڑی بڑی جگہ ہے۔ (اکل عمران : ۱۴۹-۱۵۱)

یہ آیات مدینہ منورہ میں جنگِ اُحد کی عارضی شکست کے بعد مسلمانوں کی تسلی اور ان کے المیہان قلب کے لئے نازل ہوئی تھیں۔ چنانچہ ان آیات کے نزول کے وقت اجتماعی حیثیت سے مدنی مسلمانوں کے جو حالات تھے، ایک حیثیت سے آج بھی وہی تمام حالات موجود ہیں، جس طرح آغازِ اسلام کے وقت مدنی دور میں مسلمانوں کی قلت تھی، آج بھی مسلمان ایک ارب ہونے کے باوجود، دنیا کی ساڑھے پانچ ارب آبادی کے مقابلے میں قلیل ہی ہیں۔ اور تمام طاغوتوں نے ان کو صغیر ہستی سے ماننے پر سمجھوتہ کر لیا ہے۔ دنیا کے تقریباً تمام ممالک میں مسلمانوں کی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ اور ہر جگہ ان پر عرصہ حیات تنگ کیا جا رہا ہے۔

ابوداؤد اور بیہقی کی ایک حدیث میں ہے :

”قرب ہے کہ قوین تم پر حملہ کرنے کے لئے ایک دوسرے کو اس طرح پکاریں گی (یعنی تم پر متحدہ حملہ کریں گی) جس طرح کھانے والے کھانے کے پیالے پر گرتے ہیں۔ حاضرین میں سے ایک نے پوچھا کہ یا رسول اللہ کیا یہ اس لئے کہ اُس زمانے میں ہم مسلمانوں کی تعداد کم ہو جائے گی؟ فرمایا، نہیں تمہاری تعداد ان دنوں بہت بڑی ہوگی۔ لیکن تم ایسے ہو جاؤ گے جیسے سہلاب کی سطح پر کف اور خس و خاشاک ہوتا ہے۔ (کرسیا) ان کو بہالے جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کے دلوں سے تمہارا رعب دور کرے گا، اور تمہارے دلوں میں کمزوری ڈال دے گا۔ کسی نے پوچھا کہ یا رسول اللہ وہ کمزوری کیا ہوگی؟ فرمایا دنیا (فوائدِ دنیا) کی محبت اور موت سے کراہت۔“

غرض جنگِ اُحد کے موقع پر مسلمانوں کو ان کی ایک غلطی کی بنا پر بطور تنبیہ ایک کاری زخم لگایا گیا تھا۔ اسی طرح آج بھی ایک عمومی انتباہ اور بیداری کے لئے مسلمانوں کے دلوں کو چھلنی کیا جا رہا ہے، تاکہ وہ پوری طرح ہوش میں آئیں اور اللہ کی طرف رجوع و انابت کا راستہ اختیار کریں۔

اس لحاظ سے آیاتِ بالا مدنی دور کی طرح آج بھی پیامِ تسکین و بشارت کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اس سے

ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن کریم ہر دور کے لئے ہدایت نامہ ہے اور وہ ہر دور کے حالات و کوائف پر منطبق ہو سکتا ہے۔ وہ قیامت تک پیش آنے والے نازک مراحل میں بھی فوہ انسان کی عموماً اور اہل اسلام کی خصوصاً ہدایت و رہنمائی کرنے کی بڑی زبردست صلاحیت رکھتا ہے۔

ترمذی شریف کی ایک حدیث میں ہے : ”قرآن میں تم سے پہلے کی خبریں بھی ہیں اور تمہارے بعد پیش آنے والے حالات و واقعات بھی۔ وہ تمہارے تمام معاملات میں قاضی و نج ہے۔ وہ ایک فیصلہ کن کلام ہے۔ کوئی کھیل تماشا نہیں۔“

ایک دوسری پیشگوئی

ابھی اُپر جو آیات نقل کی گئی ہیں (اکل عمران : ۱۴۹-۱۵۱) ان میں ایک دوسری زبردست پیشگوئی بھی موجود ہے، جو عصرِ حاضر کے زخمی دلوں پر پھایا رکھتی اور ان کی مرہم پٹی کرتی ہے۔ یعنی مغربِ اللہ تعالیٰ مشرکین و کفار کے دلوں میں رعب و ہیبت طاری کرے گا، جس کے باعث وہ اپنے ناپاک عزائم میں کبھی کامیاب نہ ہو سکیں گے، بلکہ انہیں شکست و ریخت کا سامنا ہوگا اور نصرتِ الہی تمہارے ساتھ رہے گی، بشرطیکہ مسلمان دینِ حق پر ثابت قدم رہیں، اور تقویٰ کے ”ہتھیاروں“ سے مسلح ہو جائیں، ورنہ پھر کفر و باطل کی شکست و ریخت ممکن نہ ہو سکے گی۔

حقیقت یہ ہے کہ جو قوم ان دو صفاتِ سرمدی (صبر و تقویٰ) سے متصف ہوتی ہے، پوری دنیا اُس سے لرزے اور کانپنے لگ جاتی ہے۔ خدا ان کے دلوں میں رعب و دبدبہ ڈال دیتا ہے۔ اور جو قوم ان صفات سے عاری ہوتی ہے وہ خود دیگر اقوام سے ذرتی اور خوف محسوس کرتی ہے۔ بات یہ ہے کہ جس دل میں خدا کا خوف ساچکا ہوگا اُس میں مخلوق کا خوف سرایت نہیں کر سکے گا۔ گویا کہ ایک ماہر و متقی دل ہمیشہ ”خوفِ پروردگار“ ہوا کرتا ہے۔ یہ بڑی عجیب و غریب خاصیت ہے، جس کی حیرت انگیز نظارہ دنیا نے بار بار اسلامی فتوحات کی شکل میں کیا ہے۔ اس حقیقت کی نقاب کشائی آیتِ ذیل میں اس طرح کی گئی ہے :

وَلَا تَحْزَنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمْ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ : ہمت

نہ بار اور غم نہ کرو۔ تم ہی غالب و سر بلند رہو گے اگر تم مومن رہے۔ (آل عمران: ۱۳۹)
یعنی اگر دنیا میں تمہارا رب و دبدر، شان و شوکت اور حکومت و خلافت برقرار رہ سکتے
ہیں تو صرف ایمان اور پختہ ایمان ہی کی حالت میں۔ شاعر مشرق کیا خوب فرما گئے ہیں۔
یقین حکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم، جہاد زندگانی میں یہ ہیں مردوں کی شمشیریں
ایک دوسرے موقع پر فرماتے ہیں۔
وہ سحر جس سے رزتا ہے شبستان وجود ہوتی ہے بندہ مومن کی اذان سے پیدا

پیام عمل

قرآن نے آج سے چودہ سو سال قبل مسلمانوں کو جو پیام عمل دیا تھا اور ان سے جو وعدے کئے
تھے وہ آج بھی اپنی جگہ قائم و برقرار اور پتھر کی لکیر بنے ہوئے ہیں۔ خدا کی باتیں اور اس کے وعدے کبھی
نہیں بدلتے، خواہ صدیاں بیت جائیں اور ہزاروں تغیرات و انقلابات آجائیں۔ بہر حال مسلمان جب
نیک اپنی موجودہ روش اور اپنے نفسی حالات و کوائف نہیں بدلتے اور کارزارِ عملیں یقین حکم کے ساتھ
سعی و جہاد و عمل پیہم کے لئے تیار نہیں ہوجاتے ان کی موجودہ پستی و ذبوں حالی کبھی نہیں بدل سکتی۔ یہ
اللہ تعالیٰ کا اٹل فیصلہ ہے۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّى يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ : اللہ کسی قوم کی حالت
کو (زبردستی) نہیں بدلتا جب تک کہ وہ قوم خود اپنے حالات و نفسیات کو بدل نہ لے۔ (رعد: ۱۱)

اور علامہ اقبال نے اس حقیقت کی ترجمانی اس طرح کی ہے۔

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

علامہ موصوف ایک دوسرے موقع پر فرماتے ہیں۔

چمن میں رختِ گلِ شبنم سے تر ہے سنن ہے سبزہ ہے بادِ سحر ہے
مگر ہنگامہ ہو سکتا نہیں گرم یہاں کا لالہ بے سوزِ جگر ہے

ایک اور جگہ فرمایا ہے۔

اے اللہ کے وارث باقی نہیں تھے گفتارِ دلبرانہ کردارِ قاہرانہ
تیری نگاہ سے دل سینوں میں کانپتے تھے کھویا گیا ہے تیرا جذبِ قلفِ درانہ
علامہ موصوف ہی کا ایک اور شعر ہے۔
تو لے مسافرِ شب خود چراغِ بنِ اپنا کراہی رات کو داغِ جگر سے نورانی

ایک ابتلاء اور آزمائش

قرآن حکیم کی ہمہ گیری

قرآن مجید میں جدید سے جدید تر علوم و فنون، اشخاص و افراد، افکار و نظریات، انسان کے
قلبی و نفسی حالات و کوائف اور تمام اجتماعی تحریکات کی تمثیل بیان کی گئی ہیں اور ہر چیز کی تصویر کشی کی
گئی ہے۔ تاکہ ہر دور کے تقاضے کے مطابق عالمِ بشری کی رہنمائی ہو سکے۔ اس لحاظ سے جدید سے جدید تر اور مشکل
سے مشکل تر حالات میں بھی اس کتابِ حکمت میں جی نوبہ انسان کی عموماً اور اہل اسلام کی خصوصاً رہبری
و پیشوائی کرنے کی بڑی زبردست صلاحیت موجود ہے اسی لئے کہا گیا ہے :

لَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ كِتَابًا فِيهِ ذِكْرُكُمْ أَفَلَا تَعْقِلُونَ : ہم نے تمہارے
پاس یقیناً ایک ایسی کتاب بھیج دی ہے جس میں تمہارا تذکرہ (داستان) موجود ہے۔ (انبیاء: ۱۰)
وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تَتَّبِعُنَا لِكُلِّ شَيْءٍ : اور ہم نے وہ کتاب اتاری ہے

جو ہر چیز کی وضاحت کرنے والی ہے۔ (نحل: ۸۹)

مَا قَرَأْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ : ہم نے اس کتاب میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ (انعام: ۳۸)
وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِي هَذَا الْقُرْآنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ

اور ہم نے نوبہ انسانی کے لئے اس قرآن میں ہر قسم کی مثال بیان کر دی ہے تاکہ وہ چونک سکے۔ (زمر: ۱۷)

ترمذی شریف کی یہ حدیث اُپر گزر چکی ہے: قرآن میں تم سے پہلے کے واقعات بھی موجود ہیں اور
تمہارے بعد کی خبریں بھی۔ وہ تمہارے تمام معاملات میں فیصلہ کرنے والا ہے۔ وہ قولِ فیصل ہے۔ کوئی

ملاق نہیں۔ (ترمذی: ابواب ثواب القرآن)

یہ حدیث شریف آیات بالا کے اجمالات و ابہامات کی بہترین شرح و تفسیر کر رہی ہے۔ اس کا مصداق ہر دور میں ظاہر ہوتا رہے گا۔

چند زندہ جاوید آیات

اس لحاظ سے قرآن حکیم پر نظر ڈالی جائے اور اس کے مضامین میں غور و فکر کر کے اس کے معانی و مطالب کی گہرائیوں تک پہنچا جائے تو ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایک بالکل نازہ ترین "جریدۂ انسانیت" ہے۔ جس میں ہر ضروری چیز کا کافی و دشانی بیان موجود ہے۔

قرآنی آیات میں بڑی چمک اور وسعت رکھی گئی ہے۔ جن کی حیثیت ایسے اصول و کلیات کی ہوتی ہے جو ہر دور میں صادق آسکتے ہیں یا ایسی صفات اور تمثیلیں بیان کی جاتی ہیں، جن کا مصداق ہر زمانے میں ظاہر ہو سکتا ہے۔ عظیم خصوصیت صرف کلام الہی میں ہی پائی جاسکتی ہے۔ غرض حسب ذیل آیات میں جو صفات بیان کی گئی ہیں وہ حیرتناک حد تک آج ہندستان کے اکثریتی فرقے کے انتہا پسندوں اور ان کے لیڈروں پر پوری طرح صادق آتی ہیں۔ حالات و واقعات کی روشنی میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان آیاتِ کریمہ کا ایک ایک لفظ گویا کہ انہیں کے حق میں بولا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

فَلَا تَطِيعُ الْمَلَكُوتَ بَيْنَ - وَذَٰلَ الْوَسْطِ هِیْ فِیْ ذَٰلِکَ هُنَّ - وَلَا تَطِيعُ کُلَّ
حَلَّافٍ مَّهِینٍ - هَآؤُلَآ مَّشَآءُ بَنِیْنِمْ - مَتَّاعٍ لِّلْخَیْرِ مُعْتَدٍ اَیْنِمْ - عَتَلَ بَعْدَ ذَٰلِکَ
زَیْنِمْ - اَنْ کَانَ ذَا مَالٍ وَبَنِیْنِمْ - اِذَا تَشَلَّى عَلَیْهِ اِلْتِنَا قَالْ اَسَاطِیْرُ الْاَزَلِیْنِ
سَنَسِمْهُ عَلٰی الْخُطُوْمِ : پس تو (اللہ کو) جھٹلانے والوں کی بات مت مان - یہ تو یہی چاہتے ہیں کہ
تو کسی طرح نرم ہو جائے تو وہ بھی ڈھیلے پڑ جائیں۔ اور تو کسی ایسے شخص کا کہا مت مان جو براقتیں کھانے
والا، بے وقار، عیب گو اور چلتا پھرتا چغل خور ہو، جو (لوگوں کو) بھلائی سے روکنے والا، حد سے بڑھے
والا اور سخت گنہگار ہو، سخت مزاج اور ساتھ ہی بدنام بھی۔ اس کی یہ ساری سرکشی اس بنا پر ہے کہ وہ
مال اور اولاد والا ہے۔ جب اس کے سامنے ہمارے دلائل رکھے جاتے ہیں تو کہتا ہے کہ یہ تو اگلوں کی خرافات

ہیں۔ ہم بہت جلد اس کی سونڈ پر داغ لگائیں گے۔ (قلم: ۸-۱۶)

ایک حیرت انگیز مطابقت

قرآن نے اس موقع پر نو صفات گنائی ہیں۔ جن میں ہر قسم کی بدترین اخلاقی بُرائیاں آج جاتی ہیں۔ قرآن کریم کے دور نزول میں ان آیات کا مصداق ولید بن مُغیرہ نامی ایک شخص تھا جو ان قبیح صفات سے متصف تھا۔ (تفسیر بلاطین)۔ مگر یہ آیات کسی ایک شخص کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ قیامت تک ہر اُس منکر و معاند پر صادق آسکتی ہیں جو ان بُری صفات کا حامل ہو۔ اس لحاظ سے یہ آیات کریمہ حیرت انگیز طور پر ہندستان کی فسطائی جماعتوں کے لیڈروں اور انتہا پسندوں پر پوری طرح چسپاں ہو سکتی ہیں، جن کی معاندانہ حرکتیں اور سرگرمیاں تمام اخلاقی حدود پار کر چکی ہیں۔ ان صفات کا مصداق ملاحظہ ہو:

- ۱۔ حَلَّافٌ : اُس کو کہتے ہیں، جو جھوٹی قسمیں کھانے کا عادی ہو چکا ہو۔ چنانچہ آج بعض لوگ کبھی تو مسلمانوں کو "ہندیانے" کا نعرہ بلند کرتے ہیں تو کبھی ہندی مسلمانوں کے ہندو ہونے کا پروگنڈہ کرتے ہیں۔ تاکہ کسی نہ کسی طرح ان کی شُدھی کرنے کا جواز ہاتھ آ سکے۔ مسلمانوں پر بات بات پر نکتہ چینی کی جاتی ہے۔ انہیں طعنے دئے جاتے ہیں اور طرح طرح کے بے بنیاد الزامات عائد کئے جاتے ہیں۔ اور ان تمام باتوں کا پروگنڈہ وہ کچھ اتنے یقینی اور قطعی انداز میں کرتے ہیں، جس سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ گویا وہ قسمیں کھا رہے ہیں۔
- ۲۔ مَّهِینٌ : اس کو کہتے ہیں جو اپنی کمینہ حرکتوں کی بنا پر خالق و مخلوق دونوں کی نظر میں ذلیل اور بے وقعت ہو چکا ہو۔ یہ صفت بھی ان لوگوں پر پوری طرح صادق آتی ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک دین و

ان الزامات تراشی کی حقیقت و نوعیت بالکل اسی قسم کی ہے جس طرح ایک بھڑیے اور بکری کے بچے کا واقعہ مشہور ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک بھڑیا ایک ندی پر پانی پینے کے لئے آیا تو اُس کی نظر ایک بکری کے بچے پر پڑی جو نشیب میں پانی پی رہا تھا۔ بھڑیے نے سوچا کہ کسی رگیب سے لے چٹ کرنا چاہئے۔ چنانچہ اس نے گرج کر کہا کہ لے آؤ بد تمیز تو نے سارا پانی گندہ کر دیا ہے۔ اس پر بکریوں کا بکری کے بچے نے جواب دیا کہ حضور والا آپ بلند ہی کی طرف کھڑے ہیں اور میں نشیب میں ہوں۔ پانی آپ کی طرف سے آ رہا ہے۔ لہذا آپ کا پانی گندہ کیسے ہو گیا؟ بات معقول تھی۔ مگر بھڑیے نے جینز بدل کر کہا کہ اب تو نے مجھے گزشتہ سال گالی کیوں دی تھی؟ بکری کے بچے نے انکار کیا کہ جناب والا گزشتہ سال تو میں پیدا بھی نہیں ہوا تھا کیونکہ بکری صرف چھ ماہ کی ہے۔ مگر بھڑیے نے بڑی فطانتی کے ساتھ کہا۔ تو نے نہیں تو پھر تیرے باپ نے ضرور گالی دی ہوگی۔ یہ کہہ کے ایک جست لگائی اور بکری کے بچے کو دبوچ لیا۔

اخلاق اور کردار کو کٹر کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ بلکہ وہ اپنی مقصد برآری کے لئے غنڈہ گردی پر اتر آتے ہیں اور اپنی بات کو ڈنڈے کے زور پر منوانا چاہتے ہیں۔

۳۔ ہمتاز: یہ مبالغہ کا صیغہ ہے۔ یعنی بہت زیادہ سختہ جیس اور عیب جو، بات بات میں کیڑے نکالنے والا اور طنز و تعریض کے ذریعہ لوگوں کے دل دکھانے والا۔ اس کا مصداق بھی صاف ظاہر ہے کہ مسلمانوں کو بلاوجہ طنز و تعریض کا نشانہ بنانا ان لوگوں کا محبوب ترین مشغلہ دکھائی دیتا ہے۔ چنانچہ کبھی تو مسلمانوں کی قومی روایات پر اعتراض کیا جاتا ہے تو کبھی مسلمانوں کے تاریخی واقعات کو توڑ مڑ کر پیش کیا جاتا ہے۔ اور سب سے بڑھ کر غیر اسلام پر بے بنیاد اور شر انگیز الزامات عائد کر کے اپنے دل کے پھسولے پھوٹے جاتے ہیں۔

۴۔ متشاء بنمسیم: متشاء بھی مبالغہ کا صیغہ ہے۔ یعنی بہت چلنے والا اور نمیم کے معنی چغلی کھانے کے ہیں۔ مطلب یہ کہ بڑا ہی چغل خور اور چلتا پڑزہ جو ادھر ادھر کی لگا کر لوگوں میں فتنہ فساد پھارتا پھر ظاہر ہے کہ یہ لوگ آئے دن بے بنیاد اور خواہ مخواہ کے الزامات تراش کر مسلمانوں کے خلاف کان بھرنے میں یکتا اور ذرا سی بات کا بشتگد بنا کر فرقہ وارانہ فسادات برپا کرنے میں کافی نام پیدا کر چکے ہیں۔

۵۔ متناع للخییر: بھلائیوں سے بہت زیادہ روکنے والا کار خیر میں رکاوٹ ڈالنے والا، یا وسیع معنی میں کسی بھی کار حیات میں روٹے اشکانے والا۔ چنانچہ ان لوگوں کو مسلمانوں سے اتنا حسد اور اشر واط کا بیر ہے کہ ان پر ہر قسم کی معاشی ترقیوں کے دروازے بند کر دینے کے درپے رہتے ہیں۔ اقلیتی فرقے کے افراد اگر کسی اونچے عہدے پر فائز ہوں تو ان کی پگڑی اُٹھالنے اور انہیں گرانے کی سعی کرتے ہیں۔ مسلمانوں کے کسی خوشحال طبقے کو دیکھ کر ان کے سینوں پر سانپ لوٹ جاتا ہے۔ یہ لوگ انہیں معاشی حیثیت سے تباہ و برباد کر کے ان پر عرصہ حیات تنگ کر دینا چاہتے ہیں تاکہ مسلمان مجبور ہو کر یا تو ان کی بات مان لیں اور ان کے تمام مطالبات کو تسلیم کر لیں یا اپنے وطن عزیز کو خیر باد کہہ دیں۔ خصوصیت کے ساتھ نام نہاد فرقہ وارانہ فسادات میں جو دراصل بالکل یک طرفہ جارحیت ہوتی ہے، مسلمانوں کی املاک و جائیداد کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچانے اور انہیں معاشی حیثیت سے بد حال و کنگال کر دینے کی کوشش کی جاتی ہے تاکہ وہ بالکل بے دست و پا

ہو کر رہ جائیں۔

۶۔ معتد: یہ اعتداء سے مشتق ہے، جس کے معنی حد سے بڑھ جانے اور حدود و ضوابط سے تجاوز کر جانے کے ہیں۔ چنانچہ یہ لوگ فقرہ بالا میں بیان کردہ بھلائیوں اور آسائشوں سے روکنے کے لئے ایسے ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں جو تمام انسانی حدود اور اخلاقی ضوابط سے متجاوز ہو چکے ہوں۔

۷۔ انیم: سخت گنہگار۔ یہ مذکورہ بالا شیخ اور قابل مذمت کارگزاروں کا لازمی نتیجہ ہے۔
۸۔ عتقل: سخت مزاج، ستم گار، بد اخلاق، اُجڑ، بدکار، زشت خو، شدید جھگڑالو، بڑی توند والا، بہت زیادہ پیٹو۔ وغیرہ۔

چنانچہ مذکورہ بالا ظلم و ستم اور ناحق کوشیاں ہی کیا کم تھیں کہ مزید برآں جامعہ انسانیت سے باہر ہو کر مسلمانوں کو ہر وقت جھڑکیاں دیتے اور سخت و مست مٹاتے رہتے ہیں یا اُلٹے انہیں کو مجرم گردانا جاتا ہے۔ اور انہیں کو مورد الزام ٹھہرا کر اُلٹے مقدمے دائر کئے جاتے ہیں۔

۹۔ زنییم: بدنام، جو کسی بُری علامت میں شہور ہو، مہتمم النسب، غنڈہ وغیرہ۔ چنانچہ اوپر گمنامی گئی بُرائیاں اور سیاہ کاریاں غنڈہ گردی نہیں تو پھر کیا ہے؟ انارک اور لاقانونیت کس چیز کا نام ہے؟ مزاج اور جنگل کا قانون آخر کہتے کس کو ہیں؟ غور فرمائیے کہ ان تمام حقائق کے بیان میں کتنی گہری منطقی ترتیب ملحوظ رکھی گئی ہے۔

اکثریت کا نشہ

اس کے بعد ارشاد باری ہے: ”یہ ساری سرکشی اور دھماچوکڑی محض اس بنا پر ہے کہ وہ مٹا مال اور صاحب اولاد ہے“ (اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَبَنِيْنٍ)۔ مطلب یہ کہ وہ مال داری اور اکثریت کے بل بوتے پر اُردم مچا رہے ہیں۔ اس لحاظ سے یہاں پر مصلیٰ اولاد ہی نہیں بلکہ مجازاً ابنائے وطن اور پیروکار بھی مراد ہیں۔ اقبال نے کہا ہے ۷

جس کو ہم نے آشنا لطفِ تکلم سے کیا اُس حریف بے زباں کی گرم گفتاری بھی دیکھ
”جب اُس کے سامنے دلائل و شواہد پیش کئے جاتے ہیں تو کہتا ہے کہ یہ تو اگلوں کی خرافات ہیں؟“

(إِذَا تَشْتَلَىٰ عَلَيْهِ أَيْتُنَا قَالَ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ)۔ یعنی یہ لوگ عقل و دلیل اور محنت و برہان کو تسلیم نہیں کرتے بلکہ ہمیشہ ڈنڈے کی زبان میں بات کرنے کے عادی ہیں اور دم خم بھی ہے کہ ہم مسلمانوں کو یا تو شہد ہی کر کے رہیں گے یا انہیں تڑی پار کر دیں گے۔ اُن کی منطقی یہ ہے کہ چونکہ ہم لوگ اکثریت میں ہیں، اس لئے مسلمانوں کو بے چوں و چرا ہمارے احکام کی تعمیل کرنی چاہئے۔

ایک مبلغ ربانی تبصرہ

مذکورہ بلا شقاوت، قساوت قلبی، بے رحمی، بد اخلاق، شوریدہ سری، ڈانٹ ڈپٹ، گھن گرج، آتش زائی اور لاقانونیت کے جواب میں ایک مختصر مگر بہت مبلغ تبصرہ فرمایا کہ ”ہم اُس کی سونڈ (ناک) پر داغ لگائیں گے“ اس انوکھی اور نادر ترین تشبیہ کا جواب نہیں ہے، جو کئی کئی صفحات کی تنقید پر بھاری ہے۔ خرطوم دراصل باقی کی سونڈ کو کہتے ہیں جو اس موقع پر اہانت کے لئے بولا گیا ہے۔ تفسیر کبیر میں ہے کہ اس سے مراد آخرت کا عذاب بھی ہو سکتا ہے اور کوئی دنیوی عذاب بھی۔ (منہم من قال هذا الرسم يحصل في الآخرة ومنهم من قال يحصل في الدنيا)۔

پیام نجات اور صوتِ سردی

پیام تازہ

آج ہندوستانی مسلمان اپنی ابتلا و آزمائش کے جس نازک ترین دور سے گزر رہے ہیں ہندوستان کی پوری تاریخ میں اس سے زیادہ نازک اور کٹھن مراحل کبھی نہیں گزرے ہیں۔ ایسے مشکل اور ناگفتہ بہ حالات میں آج ہندوستانی مسلمانوں کے لئے خصوصی طور پر ربانی ارشاد و ہدایت یہ ہے: ”تم مکتذبین حق کی اطاعت مت کرو اور اُن کا کہنا ہرگز نہ مانو“ (فَلَا تَطِيعُ الْمُكْذِبِينَ)۔ خواہ وہ اکثریت ہی میں کیوں نہ ہوں۔ یعنی کفار و مشرکین کے پروپیگنڈے سے متاثر اور خائف ہو کر ان کے مطالبات کے آگے سر نہ جھکاؤ اور اپنی تہذیب و کلچر کا سودا کسی حال میں مت کرو۔ اگر تم دین حق پر ثابت قدم رہو گے، تو تمہاری

سب ان بات میں ہندوستانی مسلمانوں کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔ بلکہ اس قسم کے حالات جہاں بھی پائے جائیں گے، وہاں ہر ان کا مصداق ظاہر ہو سکتا ہے۔ واضح ہے کہ یہاں پر خطاب اہل دین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے، جو واحد کے مینے کے ساتھ ہے۔ آپ کے واسطے سے یہ خطاب قیامت تک پوری امت کے لئے ہے۔

کامیابی و کامرانی یقینی ہے۔ کفار و مشرکین تمہارا بال بھی بیکا نہیں کر سکیں گے۔ جیسا کہ دیگر مقامات میں تصریح کی گئی ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ لَكُمْ إِيْمَانٌ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ وَلَا تَطِيعُ الْكُفْرَانِ وَالْمُتَفَقِّهِينَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا: لے نبی اللہ سے ڈرو اور کفار و منافقین کی اطاعت مت کرو۔ یقیناً اللہ بڑا اہمہ دان اور دانشمند ہے۔ (احزاب: ۱۰۵)

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللَّهَ وَلَا تُطِيعِ الْكَافِرِينَ وَالْمُنَافِقِينَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا: لے نبی اللہ سے ڈرو اور کفار و منافقین کی اطاعت مت کرو۔ یقیناً اللہ بڑا اہمہ دان اور دانشمند ہے۔ (احزاب: ۱)

وَلَا تَطِيعُ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ أَمْرُهُ فُرُطًا: اور تم اُس شخص کا کلمات مانو جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے۔ جو اپنی خواہش نفس کے پیچھے چل پڑا ہو اور اُس کا معاملہ حد سے آگے بڑھ چکا ہو۔ (کہف: ۲۸)

مسلمانوں کی کوتاہی

آج مسلمانوں کی ابتلا و آزمائش دراصل غضبِ الہی کی ایک شکل ہے کہ مسلمانوں نے اپنا فیض تبلیغ کیوں فراموش کر دیا جب کہ ان کو ساری اقوام عالم کی ہدایت کے لئے امام دہرہ بننا کر بھیجا گیا تھا: كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ: تم بہترین امت ہو جو نفع انسانی (کی اصلاح) کے لئے تیار کی گئی ہے۔ (اور تمہاری ڈیوٹی یہ ہے کہ تم) ہر ایک کو) بھلائی کا حکم دو اور بُرائی سے روکو۔ (آل عمران: ۱۱۰)

یہ ایک المیہ اور مقامِ عبرت ہے کہ اسلام کے نام لیواؤں نے جب اپنے دین و ایمان، اُس کی تعلیمات اور اپنے اصل مقام و منصب کو فراموش کر دیا اور غیر مسلموں میں دین حق کی تبلیغ و اشاعت سے منہ موڑ دیا، تو خود غیر مسلم آگے بڑھ کر اپنے دین و مذہب میں لے لینے کے لئے کوشاں اور سرگرم عمل نظر آ رہے ہیں۔ اور اس سلسلے میں ہر قسم کے جبر و اکراہ اور تشدد کو جائز قرار دے رہے ہیں۔ گویا کہ اہل اسلام کے اپنے اصل منصب کو

فراموش کر دینے کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے ان پر دوسروں کو مسلط کر دیا ہے۔

اگر مسلمان اپنا فریضہ انجام دے رہے ہوتے اور اسلام کے ہدایت کردہ بہترین اصول اخلاق کی نفع انسانی کو تعلیم دے رہے ہوتے، جس کو آیت بالائیں ”مَعْرُوف“ کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے، تو اس سے خاطر خواہ نتائج برآمد ہوتے اور پوری دنیا اسلام اور اس کے ابدی و سرمدی اصولوں سے ضرور متاثر ہوتی۔ اور دوسری حیثیت سے کسی قوم کو اس دیدہ دلیری اور ڈھٹائی کے ساتھ مسلمانوں کو لٹکانے کی جرأت نہ ہوتی۔ اور نہ ان کو یہ روز بد دیکھنا پڑتا۔ مگر شاید یہ نشر بھی آج اس اُمتِ مروجہ کو انتہاء اور عام بیداری کے لئے دیا جا رہا ہے تاکہ فاسد مواد نکل جائے۔

قرآن کیا ہے ؟

اوپر کی آیت میں ”اُخْرِجْتَ لِلنَّاسِ“ (جو نفع انسانی کے لئے تیار کی گئی ہے) کے الفاظ پر غور کیجئے۔ ”الناس“ سے مراد پورا عالم انسانی ہے۔ کیا مسلمان اپنا یہ فریضہ انجام دے چکے ہیں؟ یا اب اپنی اس ذمہ داری کو ادا کرنے کے موذ میں ہیں؟ اللہ تعالیٰ تو صاف صاف فرماتا ہے:

فَلَا تَطِيعُ الْكُفْرَيْنِ وَجَاهِدْهُمْ بِهِ جَهَادًا كَبِيرًا : پس تم کافروں کی اٹا مت کرو بلکہ اس (قرآن) کے ذریعہ زور و شور سے (ڈٹ کر) ان کا مقابلہ کرو۔ (فرقان: ۵۲)

مسلمانوں کے اخلاق و کردار آج وہ نہیں رہے، جو کسی دور میں غیر قوموں کے لئے سامانِ کش اور انہیں اسلام کی طرف مائل کرنے کے لئے ایک مثالی نمونہ تھے۔ اب ہمارے پاس صرف ایک ہی چیز باقی رہ گئی ہے، وہ ہے قرآنِ عظیم۔ اور ہمیں حکم ہو رہا ہے کہ ہم اس کے ذریعہ کفار و مشرکین کا ڈٹ کر مقابلہ اور خوب جدوجہد کرتے رہیں۔ یعنی اس کے حیرت انگیز مضامین اور اس کے ابدی حقائق و معارف کی نشر و اشاعت کرتے رہیں۔ جیسا کہ آیت بالا کے سیاق سے ظاہر ہو رہا ہے۔ چنانچہ اس سے پہلے کی دو آیتیں ملاحظہ ہونا

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ مِّنْ ذِكْرِنَا بِآيَاتِنَا أَكْثَرَ النَّاسِ إِلَّا أَكْثَرُ نَوَيْتُنَا لِبَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ نَذِيرًا : اور ہم نے لوگوں کے درمیان (قرآنی مضامین) کو

مختلف اسالیب میں بیان کیا ہے، تاکہ وہ متنبہ ہو سکیں۔ مگر بہت سے لوگ انکار ہی پر مائل رہتے ہیں۔

اور اگر ہم چاہتے تو ہر قوم میں ایک متنبہ کرنے والے کو ضرور بھیج دیتے۔ (فرقان: ۵۰-۵۱)

یہاں پر یہ فلسفہ سمجھایا گیا ہے کہ اقوامِ عالم میں سے ہر ہر قوم کے لئے ایک ایک ہادی اور رہبر بھیجے کے بجائے صرف قرآن کو اتار دیا گیا ہے، جس میں تمام قوموں کی خصوصیات، ان کے عادات و اطوار، ان کے نفسی احوال و کوائف، ان کے افکار و خیالات اور ان کے تمام علوم و فنون کا بیان و دیعت کر دیا گیا ہے، تاکہ اقوامِ عالم ہر دور میں اس کے مضامین اور اس کے حقائق و معارف کے ملاحظہ سے متنبہ ہو سکیں اور اس کو کلامِ الہی تسلیم کرنے پر مجبور ہوں۔ اسی بنا پر بعد کی آیت میں اہل اسلام کو حکم دیا گیا ہے کہ تم اس قرآن کے ذریعہ شد و مد کے ساتھ لوگوں کا مقابلہ کرو۔ اور اسی بنا پر کہا گیا ہے کہ قرآن میں ہر دور کی داستان موجود ہے۔ (فینہ و فکرم)۔ اب یہ اہل اسلام کا فریضہ ہے کہ وہ اپنے اپنے دور کی داستان منکرین و معاندین کے سامنے پیش کر کے ان پر اتمامِ محبت کریں تاکہ اللہ کے پاس انہیں سرفروزی حاصل ہو سکے۔

اللہ کا وعدہ

اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ اہل ایمان اور باعمل و صالح بندوں کی غیبی مدد اور نصرت و حمایت ضرور کرے گا۔ اس کے برعکس بے عمل و بدکردار اور شریر و مفسد لوگوں کی کوئی مدد نہیں کی جائے گی۔ بلکہ ان پر ظالموں، جابروں اور جبار و سکتیز لوگوں کو مسلط کر دیا جائے گا، جو ان کو گارجمولی کی طرح کاٹ کر پھینکتے رہیں گے

وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ : اور اہل اسلام کی نصرت ہم پر واجب ہے۔ (روم: ۴۷)

فَإِنَّ جُزْءَ اللَّهِ هُمُ الْغَالِبُونَ : بلاشبہ اللہ ہی کی جماعت غالب رہے گی۔ (مائدہ: ۵۶)

وَلِلَّهِ الْغَنَّةُ وَلِلرَّسُولِ وَالْمُؤْمِنِينَ : غلبہ و سر بلندی اللہ کے لئے، اس کے رسول کے لئے، اور اہل ایمان کے لئے ہے۔ (منافقون: ۸)

وَعَدَ اللَّهُ، لَا يُخْلِفُ اللَّهُ وَعْدَهُ : یہ اللہ کا وعدہ ہے اور اللہ ہرگز وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ (روم: ۶)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَنصُرُوا اللَّهَ يَنصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ. وَالَّذِينَ كَفَرُوا فَتَحَسَّالَهُمْ وَأَصْلَ أَعْمَالِهِمْ. ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ كَرِهُوا مَا أُنزِلَ اللَّهُ فَاحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ، دَمَّرَ اللَّهُ عَلَيْهِمُ الْكُفْرِينَ أَمْثَلَهُمَا. ذَلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ مَوْلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَأَنَّ الْكُفْرِينَ لَا مَوْلَى لَهُمْ : اے ایمان والو اگر تم اللہ کی مدد کرو گے، (اُس کے دین پر قائم رہو گے) تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدموں کو جمادے گا اور جو لوگ کفر کی روش اختیار کریں گے تو اللہ ان کے اعمال کو ضائع کر دے گا۔ اور ان کے لئے ہلاکت و خواری ہے۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے اللہ کے نازل کردہ (کلام) کو ناپسند کیا (اور اس سے مُنہ موڑ لیا) تو اُس نے ان کے اعمال اکارت کر دیئے۔ کیا ان لوگوں نے (عالم) ارض کی سیاحت نہیں کی تاکہ وہ مشاہدہ کرتے کہ ان سے پہلے قوموں کا انجام کیسا ہوا؟ اللہ نے تو ان قوموں کو تہس نہس کر کے رکھ دیا اور کافروں کے لئے بھی اسی قسم کے عذاب ہیں۔ یہ اس بنا پر ہے کہ اللہ اہل ایمان کا کار ساز ہے اور کافروں کا کوئی کار ساز نہیں۔ (محمد: ۷-۱۱)

قانونِ ازلی

کار سازِ عالم کے یہ وعدے صرف اسی وقت پورے ہو سکتے ہیں اور مُسببِ الاسباب کی نصرت و تائید صرف اسی وقت جلوہ گر ہو سکتی ہے جب کہ اہل اسلام دین حق پر پوری طرح کار بند رہیں اور فریضہ تبلیغ سے غافل نہ ہوں۔ غیبی اسباب دراصل اسی وقت حرکت میں آتے ہیں جب کہ اہل اسلام اپنا فرض ادا کر کے منکرینِ دمعانین پر تمام جھٹ کر چکے ہوں۔ جس کے بعد ”سُبُّتِ اِلهی“ کا کوڑا جنبش میں آجائے گا۔ سورہ محمد کی جو آیات اُوپر پیش کی گئی ہیں ان میں یہی فلسفہ جھلکتا دکھائی دے رہا ہے۔ بہر حال انبیائے کرام کی مُنت اور دستور کے مطابق ہر دور میں اہل ایمان کی ابتلاء و آزمائش ہوتی ہے جس سے بد دل و یابوس نہ ہو جانا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ نے تو ازل ہی میں یہ فیصلہ کر دیا ہے۔

وَلَسَبَلُّوْا نَفْسَكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ

وَالْثَّمَرَاتِ وَبَشِيرِ الصَّابِرِينَ : اور ہم ضرور تمہاری آزمائش کریں گے۔ قدرے خوف، قدرے بھوک، جان و مال اور ثمرات (کھیتوں) کے تھوڑے سے نقصان میں۔ (ان مصائب سے گھبرائے بغیر) ثابت قدم رہنے والوں کو بشارت سنا دو۔ (بقرہ: ۱۵۵)

یہ چند رہائی کلمات تسکین و دل بستگی ہیں جن کے جلو میں شکستہ دلوں کو جوڑنے، مُردہ دلوں میں زندگی کی نئی روح پھونکنے، یابوس و افسردہ افراد کے قویٰ مجتمع کرنے، نا اُمیدی، یاس اور پرہیز گردی کے جلازم کو دور کرنے کا کافی سامان موجود ہے۔

خُدائی منصوبہ

ان مباحث سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن کریم یقیناً کلامِ الہی ہے، جس میں قیامت تک پیش آنے والے تمام حالات و واقعات ایک عجیب و غریب اور اعجازی انداز میں درج ہیں۔ اور یہ نوشتہ ہدایت پورے عالم بشری کے لئے عموماً اور اہل اسلام کے لئے خصوصاً ہر دور کے حالات و مقتضیات کے مطابق ہدایت و رہنمائی کرنے کی بڑی زبردست صلاحیت رکھتا ہے۔ نیز ان مباحث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی بھی زمانے کے تقاضے اور اُس کی ضروریات سے غافل نہیں ہے۔ جس طرح کہ یہ حقیقت بھی بے نقاب ہو جاتی ہے کہ دنیا میں جو کچھ بھی پیش آ رہا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کی حیرت انگیز اسیم و منصوبہ بندی کے مطابق ہی ہو رہا ہے۔

مَا أَصَابَ مِنْ مُّصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِّن قَبْلِ أَن نَّبْرَأَهَا : (عالم) ارض اور خود تمہاری جانوں میں جو بھی مصیبت و آفت پڑتی ہے، اس کو زمین کی آفرینش سے قبل ہی ایک کتاب میں درج کیا جا چکا ہے۔ (حدید: ۲۲)

راہِ عمل

اب وقت آگیا ہے کہ مسلمان غفلت کی نیند سے بیدار ہو کر پوری طرح ہوش میں آجائیں اور سچے دل سے توبہ و استغفار کر کے بارگاہِ یزدانی میں رجوع و انابت کا راستہ اختیار کریں اور دینِ متین پر پورے خلوص کے ساتھ کار بند ہو جائیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ : اے ایمان والو! اسلام میں پوری طرح داخل ہو جاؤ اور شیطان کی پیروی مت کرو جو تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔ (بقرہ: ۲۰۸)

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا : اور تم سب اللہ کی رسی (قرآن) کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہو، باہمی طور پر تفرق نہ برپا کرو۔ (آل عمران: ۱۰۳)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَطِيعُوا الَّذِينَ كَفَرُوا يُرِيدُوا كُفْرًا بِكُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوا خَاسِرِينَ . بَلِ اللَّهُ مَوْلَاكُمْ وَهُوَ خَيْرُ النَّاصِرِينَ : اے ایمان والو! اگر تم کافروں کی تابع داری کرو گے تو وہ تمہیں ایڑیوں کے بل لٹا دیں گے۔ پھر تم گھائے میں رہ جاؤ گے۔ بلکہ تمہارا حاکم و مددگار اللہ ہی ہے جو بہترین مددگار ہے۔ (آل عمران: ۱۵۰)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي أَنزَلَ مِنْ قَبْلُ وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا : اے ایمان والو! ایمان لاؤ (پوری طرح) اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس کی کتاب پر جس کو اس نے اپنے رسول پر اتارا ہے۔ اور اس کتاب پر جو اس سے پہلے وہ اتار چکا ہے۔ اور جو کوئی اللہ کا، اس کے فرشتوں کا، اس کی کتابوں کا، اس کے رسولوں کا اور یوم آخرت کا انکار کرے گا وہ گھلی ہوئی گمراہی میں ہوگا۔ (نساء: ۱۳۶)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ : اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کا قرب تلاش کرو۔ اور اس کی راہ میں جہاد کرو تاکہ تم فلاح پا سکو۔ (مائده: ۳۵)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا دِينَكُمْ هُزُوًا وَلَا لَعِبًا مِنْ الَّذِينَ آمَنُوا أَوْ تَوَلَّوْا الْكَافَرِ أَوْلِيَاءَ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ : اے ایمان والو! اہل کتاب اور کافروں سے یار و دست نہ کرو، جنہوں نے تمہارے دین کو ایک کھیل اور مذاق بنالیا

ہے۔ اگر تم میں ایمان ہے تو اللہ سے ڈرتے رہو۔ (مائده: ۵۷)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اشْجِعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَحْكُمُ بَيْنَ الْمُنْزِعِ وَقَلْبِهِ وَأَنَّهُ إِلَيْهِ تُخْشَرُونَ . وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْكُمْ خَاصَّةً وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ : اے ایمان والو! اللہ اور رسول کا حکم بجالاؤ، جب تم کو اس چیز کی طرف بلائے جس میں تمہاری زندگی ہے۔ اور جان رکھو کہ اللہ آدمی اور اس کے دل کے درمیان حاکم ہو جاتا ہے۔ اور یہ کہ تم اس کی بارگاہ میں جمع کئے جاؤ گے اور ڈرو اس (عوی) آفت سے جو صرف تمہارے گنہگاروں ہی تک محدود نہیں ہے گی (بلکہ تم سب اس میں مبتلا ہو جاؤ گے) اور جان رکھو کہ اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔ (انفال: ۲۴-۲۵)

إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ : خدا کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود (اپنے ارادہ و اختیار سے) اپنے حالات و نفیات نہ بدل لیں۔ (رعد: ۱۱)

اور علامہ اقبال نے فرمایا ہے

نہ بھگو گے تو مٹ جاؤ گے اے ہندوستان والو تمہاری داستان تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

ایک دوسرے موقع پر علامہ موصوف فرماتے ہیں کہ

ترے دریا میں طوفان کیوں نہیں ہے خودی تیری مسلمان کیوں نہیں ہے

عبث ہے شکوہ تقدیر پر یزداں تو خود تقدیر پر یزداں کیوں نہیں ہے

ایک اور جگہ فرماتے ہیں کہ

اگر کھو گیا اک نشیمن تو کیا غم مقامات آہ و فغاں اور بھی ہیں

تو شاہیں ہیں پرواز ہے کام تیرا ترے سامنے آسمان اور بھی ہیں

صحیفہ تاریخ کا فیصلہ

تاریخ کی شہادت

یہ تو اسلام کے نام لیاؤں اور ان پر ہونے والے ظلم و ستم کی روداد، اس سے بچنے کی تدبیر اور فلاح و کامرانی کی داستان بصیرت تھی۔ اب فلسفہ تاریخ کی روشنی میں ظالم و جابر قوموں کے انجام اور ان کے جبر و استبداد کے عواقب و نتائج کی سرگزشت بھی ملاحظہ ہو۔

آج ہندستان ہی نہیں بلکہ دنیا کی اکثر و بیشتر قومیں صحیفہ تاریخ کے اسباق کو بھلا کر جبر و تشدد، ظلم و عدوان اور جارحیت و فسطائیت پر اتر آئی ہیں۔ فلسفہ تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ جب کسی قوم کا نظام اخلاق بگڑ جاتا ہے اور وہ اقدار انسانیت کا پیر بہن اپنے جسم سے فوج کر پھینک دیتی اور جارحیت و بربریت کا نقاب اوڑھ لیتی ہے تو وہ دنیا کے اسٹیج پر زیادہ دنوں تک ٹھہر نہیں سکتی۔ کیونکہ ظلم و عدوان کی کشتی پر جو سوار ہوتا ہے وہ دریا برد ہوتا ہے۔

آپ تاریخ عالم کا مطالعہ کیجئے اور دنیا کی کسی بھی قوم کے زوال و ادبار اور اُس کے اسباب و محرکات کا جائزہ لیجئے، آپ کو سب سے بڑا اور اہم ترین سبب گرد و گیر کٹر کا بگاڑ نظر آئے گا۔ یعنی ہر قوم اپنی تباہی و بربادی کے زمانے میں۔ اسٹیج چھوڑنے سے کچھ مدت پہلے۔ اپنے نظام اخلاق کے بدترین دور سے گزر رہی ہوتی ہے۔ گویا کہ اپنی موت و ہلاکت سے پہلے ”بیاری“ اپنی انتہا کو پہنچ چکی ہوتی ہے اور مریض کھڑی اُکھڑی سانسیں لینے لگ جاتا ہے، جس کو ایک ذرا سا تھپیڑا بھی موت کی نیند سلا دیتا ہے۔

کسی قوم کا نظام اخلاق کیا بگڑتا ہے گویا کہ اُس کی قسمت پر ٹھہر لگ جاتی ہے۔ اگر فوری اصلاح اور علاج و معالجہ نہ کیا جائے تو اس کو اندر ہی اندر گھٹن لگ جاتا ہے جو بالآخر اس کو لے ڈوبتا ہے۔ صحیفہ تاریخ کا سلسلہ کلید اور اٹل قانون ہے جو آشوری و کلدانی، مصری و یونانی، بابلی و میدانی اور رومی و ساسانی اقوام عالم پر جس طرح صادق آچکا ہے، اسی طرح اموی و عباسی، سلجوقی و فاطمی، ترک و مغل اور چنگیزی و تاتاری اقوام پر بھی پورا اُتر چکا ہے۔ عرب ہو یا عجم، ایران ہو یا توران، چین ہو یا جاپان، یورپ ہو یا امریکہ

ہندستان ہو یا افریقہ، نیز اسی طرح فرود ہو یا فرعون، رومی ہوں یا آتش پرست، یہودی ہوں یا زرتشتی، انگریز ہوں یا حبشی، مسلمان ہوں یا عیسائی، ہندو ہوں یا پارسی، مُشرک ہوں یا بُت پرست، صحیفہ تاریخ کا فیصلہ ہر ایک کے لئے اور ہر حال میں ایک اور صرف ایک ہے۔ وہ یہ کہ نظام اخلاق کی تباہی یا سیرت و کردار کے بگاڑ کے ساتھ قوموں اور ملکوں کی تباہی یقینی ہے۔ جب پانی سرسے اُدنچا ہو جاتا ہے یا جب پاپ کا گھڑا بھر جاتا ہے تو پھر قانون الہی کی شمشیر خارا شکاف بے نیام ہو کر ظالم و ستم اور بدکردار قوم کا ستر قلم کر کے ”خلافت ارضی“ کسی دوسری قوم کے حوالے کر دیتی ہے، جو اس بارگراں کو سنبھالنے کی اہل ہو۔ ازل سے یہی قانون چلا آ رہا ہے، جس کی کبھی تغیر نہیں ہوا۔ مشہور فرنج محقق ڈاکٹر لیسان لکھتا ہے:

”معراج کمال تک پہنچنے میں ہر قوم کو ایک طویل زمانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن ان خطا کے تحت الشریٰ تک پہنچنے کے لئے ایک مختصر مدت کافی ہے۔ ہر قوم کے اسباب انخطا میں سب سے زیادہ مؤثر سبب اُس کے نظام اخلاق کا انخطا ہے۔ تمام قوموں میں تمدن کے انخطا کا صرف ایک ہی طریقہ ہے، جواب تک قائم ہے۔“

(انقلاب الامم، ص ۱۶۸)

دورِ حاضر کے سب سے بڑے عربی شاعر شوقی مرحوم نے فلسفہ تاریخ کی اس آفاق صدا کا نقش اس طرح کھینچا ہے:

وَمَا الْأَمُّ إِلَّا خَلَّاتُ مَا بَقِيَتْ فَإِنْ هُمْ ذَهَبَتْ أَخْلَاقُهُمْ ذَهَبُوا

یعنی قوموں کی بقا کا دار و مدار محض اخلاق پر ہے۔ جب کسی قوم سے اُس کے اخلاق رخصت ہو جاتے ہیں تو وہ قوم بھی دنیا سے رخصت ہو جاتی ہے۔ اور حکیم مشرق نے اس حقیقت کو اس طرح بے نقاب کیا ہے:

تجھے بتاتا ہوں میں تقدیر اُم کیا ہے شمشیر و سناں اول طاؤس و رباب آفر

قرآن کا فیصلہ

حاصل یہ کہ بد اخلاقی و بد کرداری کے باعث جب کسی قوم کا بُرا وقت آ جاتا ہے تو دستِ غیب اس کا تختہ اس طرح اٹھ دیتا ہے جس طرح ہم اور آپ لباس تبدیل کر لیتے ہیں۔ دنیا کے اسٹیج پر نہ جانے کتنی قومیں

آئیں، جن کی شان، شوکت، کرفر، رعب و دہدہ اور شاہانہ جاہ و جلال کا کوئی ٹھکانہ اور کوئی انتہا نہیں تھی۔ لیکن جب وہ تباہ و غارت ہوئیں تو ایسی ہوشیاری کہ آج کوئی ان کا نام لینے والا بھی موجود نہیں ہے، بجز تاریخی تذکرہ کے۔ اس حقیقت کی ترجمانی قرآن کریم میں اس طرح کی گئی ہے:

وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَبْلِكَ كَانَتْ ظَالِمَةً وَأَنْشَأْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا آخَرِينَ :
اور ہم نے کتنی ہی بستیوں کو نیست و نابود کر دیا ہے، جو ظالم بن چکی تھیں اور ان کے بعد ہم نے دوسری قوم پیدا کی۔ (انبیاء: ۱۱)

وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا الْقُرُونََ مِنْ قَبْلِكَ لَمَّا ظَلَمُوا وَجَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ
وَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا كَذَلِكَ تَجْزِي الْقَوْمَ الْمَجْرِمِينَ - ثُمَّ جَعَلْنَاكُمْ خَلِيفَةً
فِي الْأَرْضِ مِنْ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ : اور ہم نے یقیناً تم سے پہلے بہت سی قوموں کو
ہلاک کر دیا ہے، جب کہ انہوں نے ظلم اور ناحق کوشی کا راستہ اختیار کیا، اور رسول ان کے پاس کھلے کھلے دلائل
لے کر آچکے تھے۔ مگر وہ ظالم لوگ ایمان لانے کے سوڈیں تھے ہی نہیں۔ ہم مجرموں کو اسی طرح سزا دیتے ہیں۔
پھر ان کے بعد ہم نے تم کو زمین پر خلیفہ بنایا تاکہ ہم دیکھیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو؟ (یونس: ۱۳-۱۴)
وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرَىٰ إِلَّا وَأَهْلُهَا ظَالِمُونَ : اور ہم آبادیوں کو اس وقت تک
برباد نہیں کرتے جب تک کہ وہ ظالم اور ناحق کوش نہ بن جائیں۔ (قصص: ۵۹)

قوموں کی میعاد

اللہ تعالیٰ کا یہ بھی ایک ازلی قانون ہے کہ وہ ظالم و سرکش اور مغرور و متکبر قوم کا فوراً مواخذہ نہیں کرتا بلکہ اس کو اپنی اصلاح حال کا پورا پورا موقع اور ڈھیل دیتا ہے۔ تاکہ اگر وہ سدھرنا چاہے تو سدھر جائے، اور اس دوران اس کی توجہ کا سامان بھی پورا ہو جائے، تاکہ وہ اندھیرے میں نہ رہے۔ لیکن جب اس کے بناؤ اور سدھار کی ساری امیدیں ختم ہو جاتی ہیں، افراد قوم مجموعی حیثیت سے اپنی بدچلنی اور بد خوئی سے کسی بھی طرح باز نہیں آتے اور مرض اپنی انتہا کو پہنچ کر نہ علاج ہو جاتا ہے تو پھر قضاے الہی اپنے اہل قانون کو حرکت میں لے آتی ہے۔ کارکنان قضا و قدر اس کی قسمت کا فیصلہ کر دیتے ہیں اور اس قوم کو معزول کر کے

کا خلاف کسی دوسری قوم کے حوالے کیا جاتا ہے۔ نوشتہ الہی میں ہر قوم کا معزول اور اس کی تباہی و بربادی کا ایک وقت مقرر ہے، جس میں کبھی ایک ساعت کی بھی کمی بیشی نہیں ہوتی۔

وَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَعْلُومٌ. مَا تَسْبِقُ مِنْ أَمْرٍ أَجَلًا
وَمَا يَنْتَازِحُونَ : اور ہم نے جس بستی کو بھی تباہ کیا اس کے لئے ایک معین نوشتہ (مقررہ وقت) رکھ دیا تھا
(چنانچہ) کوئی قوم نہ اپنے وقت معین سے آگے بڑھ سکتی ہے اور نہ پیچھے ہٹ سکتی ہے۔ (حجر: ۵-۴)

مذکورہ بالا تمام آیات قرآن مجید کے ہمہ گیر اصول اور عالم گیر کلیات کی حیثیت رکھتی ہیں جس میں کسی قوم یا ملک کی تخصیص نہیں ہے اور نہ قدیم و جدید کا کوئی فرق ہے۔ بلکہ ان کا اطلاق یورپ، ایشیا اور افریقہ و امریکہ وغیرہ ہر خطہ ارض پر یکساں طور پر ہو سکتا ہے۔ جہت ستائیس نے اگر صحیفہ تاریخ کا یہ سبق فراموش کر دیا تو ان کا انجام بھی بہت بُرا ہوگا۔ لہذا انہیں ہر حال میں چوکنا اور خبردار رہنا چاہئے۔ کیونکہ خدا کی لائٹنی ہیں واز نہیں ہوتی۔ اور عذاب الہی بالکل دے پاؤں آتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے:

أَفَأَمِّنَ أَهْلُ الْقُرَىٰ أَنْ يَأْتِيَهُمْ بَأْسُنَا بَيَاتًا وَهُمْ نَامُونَ. أَوْ أَمِّنَ أَهْلُ
الْقَرْيَةِ أَنْ يَأْتِيَهُمْ بَأْسُنَا ضُحًى وَهُمْ يُلْعَبُونَ. أَفَأَمِّنُوا مَكْرَ اللَّهِ؟ فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ
اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْخَاسِرُونَ : کیا بستیوں والے نڈر ہو گئے ہیں کہ ہماری جانب سے رات کے وقت ان
پر عذاب آجائے جبکہ وہ سو رہے ہوں؟ یا بستیوں والے اس بات سے نڈر ہو چکے ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب
دن چڑھے آجائے جبکہ وہ کھیل کود میں مشغول ہوں؟ کیا وہ اللہ کی اچانک پکڑ سے بے فکر ہو گئے ہیں؟
حالانکہ اللہ کی اچانک پکڑ سے صرف وہی لوگ بے فکر ہو سکتے ہیں جو نقصان اٹھانے والے ہوں۔

(اعراف: ۹۴-۹۹)

اسرارِ نبوت سائنٹفک نقطہ نظر سے

تمہید

”تاہم خ عالم میں یہ امتیاز صرف آقائے نامدار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو حاصل ہے کہ جس کثرت سے آپ کی حیات مبارکہ پر کتابیں لکھی گئیں، اتنی کسی دوسری شخصیت پر نہیں لکھی گئیں۔ ہر سیرت نگار نے آپ کی سیرت طیبہ کو اپنے مخصوص نقطہ نظر سے دیکھا اور کچھ نئے پہلو اجاگر کرنے اور چند حقائق و معارف کا اضافہ کر دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن مجید ہی کی طرح سیرت طیبہ کے عجائبات کی بھی انتہا نہیں ہے۔ آپ کی شخصیت اتنی گونا گوں اور جامع الکمالات رہی ہے کہ کسی بھی فن کا ماہر جب آپ کی سیرت پر اپنے علم و فن کی روشنی میں نگاہ ڈالتا ہے تو اس کو ایک نئی دنیا نظر آتی ہے، جو اس کے دامن کو موتیوں سے بھر دیتی ہے اور سلسلہ کہیں ختم ہوتا نظر نہیں آتا۔

یوں تو سیرت طیبہ پر چھوٹی بڑی سیکڑوں کتابیں موجود ہیں، جن میں دن بدن اضافہ ہی ہو رہا ہے۔ مگر یہ کتابیں تاریخی نقطہ نظر سے لکھی گئی ہیں۔ ان کے برعکس زیر نظر مقالہ سائنٹفک نقطہ نظر سے سپرد قلم کیا گیا ہے۔ اس مقالے میں قرآن حکیم کے بعض اشارات کی روشنی میں منصب رسالت کا تعین ایک نئے نقطہ نظر سے کیا گیا ہے اور صحیفہ فطرت اور قانون شریعت کی مطابقت دکھائی گئی ہے، جو دراصل غلاق عالم کی حیرت انگیز تخلیق کی تفصیل ہے۔ نیز یہ مقالہ منکرین حدیث کے اس پروپیگنڈے کا بھی ایک مسکت و مدلل جواب ہے کہ ”سنت رسول کی کوئی آئینی حیثیت ہی نہیں ہے اور حدیث، شریعت کا مأخذ نہیں بن سکتی“ وغیرہ۔

اس مقالے میں سائنٹفک اور ناقابل فراموش حقائق کی روشنی میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ سنت رسول یا حدیث شریف، قرآن کریم ہی کی تفسیر اور قرآنی ”تزکیہ نفوس“ ہی کی تفصیل کے سوا

آسرارِ نبوت سائنس کا نقطہ نظر سے

اشتراکیت ایک قرآنی تمثیل کے روپ میں

کیونکہ ہم کی حقیقت و ماہیت، اُس کے اصل فہم و حال اور اُس کے
بھیانک و مکروہ چہرے کی ایک تصویر چند قرآنی انکشافات کی روشنی میں

کچھ بھی نہیں ہے۔ بلکہ یہ بھی ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ موجودہ بچڑے ہوئے معاشرے اور بگڑی ہوئی انسانیت کی اصلاح اگر ہو سکتی ہے تو صرف اسوۂ رسول یا آپ کے پیش کردہ ضابطہ اخلاق ہی کی بدولت ہو سکتی ہے۔

نستِ فلکی

قرآن کریم کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ ہماری دنیا کے لئے خالقِ عالم نے دو روشن چراغ ہیٹائے ہیں۔ ایک مادی۔ اور۔ دوسرا روحانی۔ یعنی ایک ”آفتابِ عالم“ جو ہماری مادی کائنات کو روشن کرتا ہے، دوسرا ”آفتابِ رسالت“ جو ہماری روحانی دنیا کو منور کرتا ہے۔ ایک سے ہماری تمام دنیوی ضروریات پوری ہوتی ہیں تو دوسرے سے روحانیت کی آبیاری اور اُس کا نشوونما ہوتا ہے۔ اول سے حیوانی زندگی برقرار رہتی ہے، ثانی سے اخلاق و کردار کی تعمیر و تکمیل ہوتی ہے۔ انسانیت کی بقا کے لئے یہ دونوں ہی ضروری اور لازمی ہیں اور ان دونوں میں سے کسی ایک کا عدم وجود بھی ہمارے عالمِ ارض کو تباہ و غارت کرنے کا۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم میں ان دونوں کو ”سراج“ (چراغ) سے تشبیہ دی گئی ہے چنانچہ سورج کے بارے میں ارشاد ہے:

تَبَارَكَ الَّذِي جَعَلَ فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَجَعَلَ فِيهَا سِرَاجًا وَقَمَرًا مُنِيرًا : بڑا ہی بابرکت ہے وہ جس نے آسمان میں بہت سے بروج (کہکشائیں) بنائیں اور ان میں (تہا لے لئے) ایک چراغ (سورج) اور ایک روشنی دینے والا چاند بنا دیا۔ (فرقان: ۶۱)

اس آیت کریمہ میں ”چراغ“ سے مراد سورج ہے۔ جیسا کہ ایک دوسرے موقع پر وضاحت کی گئی ہے:

وَجَعَلَ الشَّمْسُ سِرَاجًا : اور سورج کو اس نے چراغ بنایا۔ (نوح: ۱۶)

نیز ایک اور موقع پر اس بات کی وضاحت بھی فرمادی کہ یہ چراغ بہت زیادہ تابناک اور

بھرپور بھی ہے:

وَجَعَلْنَا سِرَاجًا وَهَّاجًا : اور ہم نے ایک بھڑکدار چراغ بنا دیا ہے۔ (نبا: ۱۳)

اسی طرح ”آفتابِ رسالت“ یعنی پیغمبرِ آخر الزماں حضور پر نور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ”سراج“ سے تشبیہ دی گئی ہے:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا - وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِآذَانِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا : اے نبی! ہم نے آپ کو (تمام لوگوں کے لئے) نگران، مبشر اور متنبہ کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔ نیز اللہ کی طرف اُسی کے حکم سے بلانے والا۔ اور روشن چراغ بنا دیا ہے۔ (احزاب: ۴۵ - ۴۶)

قرآن مجید میں لفظ ”سراج“ کا تذکرہ ان ہی چار مقامات میں آیا ہے، اور رسولؐ آفتابِ عالم اور آفتابِ رسالت کے کسی اور چیز کو سراج سے تشبیہ نہیں دی گئی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ خصوصیت کے ساتھ ان ہی دو ہستیوں کو سراج سے کیوں موسوم کیا گیا ہے اور اس میں کیا حکمت ہے؟ تو جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا ہے کہ ایک سے اگر ہماری حیوانی زندگی برقرار رہتی ہے، تو دوسرے سے روح کی غذا فراہم ہوتی ہے۔ اس وقت ان ہی دو آفتابوں کی کارکردگیوں کا جائزہ لینا اور انسانی زندگی پر ان کے اثرات دکھانا مقصود ہے۔ لہذا آئیے! سب سے پہلے سورج کی ضرورت و اہمیت کا سائنسی نقطہ نظر سے ایک مختصر سا جائزہ لے لیں۔ پھر نبوت و رسالت کی ضرورت و اہمیت پر بھی ایک نظر ڈال لیں۔

آفتاب کی روشنی

آفتاب کو سراج (چراغ) اس بنا پر کہا گیا ہے کہ اُس کی حرارت و روشنی ذاتی ہوتی ہے۔ چاند کی طرح مستعار نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم میں چاند کو کسی مقام پر بھی ”سراج“ نہیں کہا گیا۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ سورج کو ایک دوسرے موقع پر بصراحت ”ضیاء“ اور چاند کو ”نور“ قرار دیا گیا ہے:

هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسُ ضِيَاءً وَالْقَمَرَ نُورًا : وہی ہے جس نے آفتاب کو (انہماقی) روشن بنایا اور چاند کو نور بخشا۔ (یونس: ۵)

یہاں پر لفظ ”ضیاء“ گرامر کی رو سے مصدر ہے، جو فاعل کے معنی میں بھی ہو سکتا ہے اور

مہانے کا میضہ بھی انتہائی نور کو ضواء اور ضیاء کہتے ہیں۔ اور "نور" وہ بے کیف چمک ہے، جو خود ظاہر ہوا کسی دوسری چیز کو ظاہر کر دیتی ہو۔ "نور" کا اطلاق نور بصیرت پر بھی ہوتا ہے، اور نور بصائر پر بھی۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ کسی چیز کی مستقل روشنی "ضیاء" کہلاتی ہے۔ اور "نور" مستعار روشنی کو کہا جاتا ہے۔ غرض اس موقع پر سورج اور چاند کی روشنی کے لئے الگ الگ الفاظ لا کر جناب دیا گیا کہ ان دونوں کی کمیت و کیفیت یکساں نہیں ہے۔

سورج کا ٹیمپرچر

سائنس دانوں کا اندازہ ہے کہ سورج کی سطح کا درجہ حرارت چھ ہزار ڈگری ہے، جب کہ اس کے مرکز کا درجہ حرارت ڈیڑھ تا دو کروڑ ڈگری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ کروڑوں میل کی مسافت سے زمین کو گرم اور منور رکھتا ہے۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ استوائی خطے کی ایک ایکڑ زمین پر ایک دن میں تپتی حرارت پہنچتی ہے، اس کی مقدار اتنی ہے، جتنی چار ٹن کوئلہ جلا کر حاصل کی جاسکتی ہو۔

قرآن حکیم میں سورج کو نہ صرف "سراج" کہا گیا ہے، بلکہ اس کو "دھاج" (بہت زیادہ بھر لکڑا) بھی قرار دیا گیا ہے، جس سے غالباً اسی بے انتہا حرارت و تپش کی طرف اشارہ ہے۔ بہر حال جدید انکشاف، توانی انکشاف ہی کی تشریح اور تفسیر نظر آتا ہے۔ ذرا سوچئے تو یہی چودہ سو سال کے ناخواندہ اور سائنسی اعتبار سے غیر ترقی یافتہ معاشرے کے افراد کو سمجھانے کے لئے وہ آخر اس سے بہتر کون سے الفاظ لا سکتا تھا کہ موجودہ ترقی یافتہ دور میں بھی ان کا مفہوم بدلنے نہ پائے۔

سورج کی کار فرمائی

اگر آپ اس عالم رنگ و بو میں جاری دساری قسم ہا قسم کے حیاتیاتی ہنگاموں کا جائزہ لیجئے

۱۔ تفسیر روح المعانی

۲۔ تفسیر بیضاوی

۳۔ تفسیر کبیر

۴۔ مفردات القرآن

تو آپ کو "زندگی" کی ہر ہر "حرکت" خواہ وہ حیوانی زندگی سے متعلق ہو، یا نباتاتی زندگی سے آفتاب اور اُس کی حرارت و ضواء افشانی ہی کا فرمانظر آئے گی۔ اگر سورج نہ ہوتا تو ہمارا کرۂ ارض ہمیشہ تاریک رہتا۔ اور دنیا کے تمام سائنس دان اپنے نکل و سائل اکٹھا کر کے بھی کسی ایک خطۂ ارض تک کو اس قدر روشن نہ کر سکتے، جس قدر سورج روشن اور منور کرتا ہے۔

قَدْ أَرَبْنَاكَ إِنَّا جَعَلْنَا اللَّهُ عَلَيْكَ اللَّيْلَ نَزْماً إِلَى يَوْمِ الْبَيْمَةِ
مَنْ إِلَهُ غَيْرُ اللَّهِ يَا تَبِيتُكُمْ بَضِيَاءً أَفَلَا تَسْمَعُونَ : اُن سے کہو کہ اللہ اگر تمہارے لئے قیامت تک ہمیشہ رات ہی رات کرنے تو کیا تم بتا سکتے ہو کہ اللہ کے سوا ایسا بھی کوئی دوسرا الہ موجود ہے، جو تمہارے لئے روشنی لاسکے؟ کیا تم سنتے نہیں؟ (قصص: ۷۱)

پھر اس مسلسل تاریکی کے باعث نہ تو پتھر پودے ہی نشو و نما پا سکتے اور نہ حیوانات ہی اپنا وجود برقرار رکھ سکتے۔

سورج کی توانائی

یہ قدرتِ خداوندی کا صرف ایک قلم ہے، جو دنیا کے تمام مصنوعی قہقروں پر بھاری ہے۔ یہ آفتاب ہی ہے، جو بنی نوع انسان کو ایک پیسہ خرچ کئے بغیر ہمیشہ بالکل مفت روشنی و حرارت فراہم کر رہا ہے۔ اگر انسانی توانائی کے اخراج کی شرح ظاہر کرنے والا کوئی میٹر یا پیمانہ لگا دیا جاتا۔ جس طرح کہ ہمارے گھروں اور کارخانوں میں بجلی کے صرف کو ظاہر کرنے کے لئے لگایا جاتا ہے۔ تو شاید بنی نوع انسانی کو ہر سال ہر مہینہ نہیں، بلکہ محض ایک دن کی توانائی کا بیل BILL ادا کرنے کے لئے ہمارے سارے خزانے خالی ہو جاتے۔

سورج کا نظم و ضبط

کمال یہ ہے کہ سورج اپنی روشنی و حرارت کا اخراج اور شعلہ افشانی انتہائی درجہ منظم و منضبط طریقے سے کر رہا ہے جس میں کمی بیشی نہیں ہوتی۔ نہ وہ کبھی بیمار ہوتا ہے، اور نہ اُس کو کبھی کسی قسم کی "مرمت" کی ضرورت ہی پیش آتی ہے۔ آپ اپنے روزمرہ کے معمولات اور سورج کے

نظام الاوقات کا جائزہ لیجئے، تو آپ دیکھیں گے کہ آپ کے مقررہ اوقات میں کچھ نہ کچھ تقدیم و تاخیر یا کوئی نقص و خرابی واقع ہو رہی جاتی ہے۔ مگر اس کے برعکس سورج کی رفتار اور اُس کے طلوع و غروب کے نظام الاوقات میں ایک منٹ بلکہ ایک سکنڈ کی بھی کمی بیشی نہیں ہوتی، حتیٰ کہ اگر آپ کو سورج کا سال بھر کا نظام الاوقات یاد ہو تو آپ سال بھر کے کسی بھی موسم میں اور کسی بھی دن محض اُس کے طلوع و غروب کی بنا پر اپنی کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی درست کر سکتے ہیں۔

وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَجْرِي لِأَجَلٍ مُّسَمًّى : اور اُس نے آفتاب و ماہتاب کو کام میں لگایا۔ ہر ایک، ایک مقررہ وقت کے مطابق دوڑ رہا ہے۔ (رعد: ۲)

پانی کی کار فرمائی

روشنی اور حرارت کے بعد پانی کے مسئلے کو لیجئے۔ اس موقع پر یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ حیوانی زندگی میں پانی کی کتنی ضرورت و اہمیت ہے۔ پانی قدرت کا اتنا زبردست عطیہ ہے کہ اس کے بغیر نہ تو باری پیاس ٹھج سکتی ہے اور نہ ہمارے لئے کسی قسم کی غذا ہی حاصل ہو سکتی ہے، کیونکہ ہر قسم کے پیڑ پودے محض پانی ہی کی بدولت سیراب ہوتے ہیں، جن سے ہمیں غلہ، پھل، میوے، ساگ پات، ترکاریاں، مسالے، حتیٰ کہ جلانے کی لکڑی، عمارتی لکڑی، فرنیچر، دوائیں، سوتی کپڑے، ربر کا سامان، رسیاں، چٹائیاں، ٹاٹ، بوریاں، دناگہ، کاغذ، کتابیں اور مختلف قسم کا سامان سب کچھ حاصل ہوتا ہے۔ گو یا کہ حیوانی زندگی کا پورا دار و مدار نباتات پر منحصر ہے اور نباتات صرف پانی ہی کی بدولت نشوونما پاتے اور زندہ رہ سکتے ہیں۔ اسی طرح نہانے، دھونے، کھانا پکانے، نماز کے لئے وضو کرنے اور سردی گرمی سے بچاؤ کی خاطر مکانات تعمیر کرنے کے لئے بھی پانی ایک لازمی چیز اور بنیادی عنصر ہے، جس کے بغیر زندگی کے ہنگامے ایک دن کے لئے بھی جاری نہیں رہ سکتے۔

فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ إِلَى طَعَامِهِ . إِنَّا مَصَبَّتْنَا الْمَاءَ صَبًّا . ثُمَّ شَقَقْنَا الْأَرْضَ شَقًّا . فَأَنْبَتْنَا فِيهَا حَبًّا . وَاعْتَبْنَا وَاقُظًا . وَزَيَّنَّاها وَتَحَلًّا . وَحَلَّلْنَا غُلْبًا . وَفَاكَةً وَآبًا . مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ : پس انسان اپنی غذا کو غور سے دیکھے

(کہ وہ کس طرح ہسٹا ہو جاتی ہے) حقیقت یہ ہے کہ ہم نے اُوپر سے ڈھیروں پانی برسایا۔ پھر زمین کو پھاڑ ڈالا۔ پھر ہم نے اس میں (ہر قسم کے) غلہ، انگور، ترکاریاں، زیتون، کھجور، خوب گھنے باغات، طرح طرح کے میوے اور شاداب گھاس پیدا کر دی، تمہارے لئے بھی اور تمہارے مواشی کے لئے بھی۔ (عبس: ۲۴ - ۳۲)

سورج ایک بہشت

غرض یہ تمام وسائل زندگی اور حیاتیاتی کرشمے پانی ہی کی بدولت ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ اور پانی سورج کی بدولت حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ خلاق عالم نے پانی کی فراہمی کے لئے ایک عجیب و غریب اور حیرت ناک قسم کا نظام مقرر کیا ہے، جس کی بدولت حیوانات و نباتات کی زندگی برقرار رہتی ہے۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ کنوؤں، تالابوں اور ندی نالوں میں پانی کہاں سے آتا ہے؟ آپ بس اتنا ہی کہیں گے کہ بارش سے حاصل ہوتا ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ خود بارش کا پانی کہاں سے آتا ہے؟ آپ فوراً بولیں گے کہ بادلوں سے۔ پھر کیا آپ نے کبھی سوچا ہے کہ یہ کالے کالے بادل کہاں سے اور کیوں کر وجود میں آجاتے ہیں؟ تو آپ کا جواب ہو گا کہ یہ بادل سائنٹفک نقطہ نظر سے دراصل پانی سے لسے ہوئے "مشکیزے" ہیں، جن کا منبع سمندر ہے۔

آپ ایک برتن میں تھوڑا سا پانی لے کر اس کو چولہے پر گرم کیجئے یا دھوپ میں رکھ چھوڑیئے۔ تھوڑی دیر بعد آپ دیکھیں گے کہ برتن خالی اور پانی غائب ہو گیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ پانی کیا کہاں؟ تو واقعہ یہ ہے کہ پانی گرمی کی وجہ سے بخارات یا بھاپ بن کر اُپر اٹھ جاتا اور باطنی فضاؤں میں پہنچ جاتا ہے۔ قدرت کے اس انوکھے قانون کے مطابق سورج کی حرارت اور شعلہ فشاہوں کی وجہ سے ہر منٹ کھربوں ٹن پانی سمندروں سے بخارات کی شکل میں اُپر اٹھتا ہے اور ایک خاص بلندی پر پہنچ کر بادلوں کا روپ دھار لیتا ہے۔ یہ بادل فضاؤں میں معلق رہتے ہوئے ہواؤں کے دوش پر سوار ہو کر ملک ملک کی سیر کرتے اور اذن الہی پاکر مختلف خطہ ہائے ارض کو حل تھل کر دیتے ہیں۔

یہ رپٹ کائنات کی حکمت تخلیق کا ایک نرالا اور لا جواب نمونہ ہے کہ اُس نے مخلوقات کی

پرورش کی خاطر پانی کی فراہمی کے لئے سورج کو مامور کیا، جو نہ صرف ہمیں روشنی اور حرارت فراہم کرتا ہے بلکہ ہمارے لئے سمندروں سے پانی بھی ٹرانسپورٹ کرتا رہتا ہے۔ اس لحاظ سے وہ ہمارے لئے ایک بہت بڑا "بہشتہ" بھی ہے۔

قرآنی انکشاف

حسب ذیل آیت کریمہ میں ربوبیت کے اس سر نہاں پر سے پردہ اٹھا دیا گیا ہے کہ بارش کا پانی دراصل سمندروں ہی سے آتا ہے :

أَفَرَأَيْتُمُ الْمَاءَ الَّذِي تَشْرَبُونَ . ءَأَنْتُمْ أَنْزَلْتُمُوهُ مِنَ الْمُزْنِ أَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُونَ . لَوْلَنَشَاءُ لَجَعَلْنَاهُ جَوَّاجًا قَلْبًا فَلَوْلَا تَشْكُرُونَ : ہاں ذرا بتاؤ تو سہی کہ وہ پانی جس کو تم پیتے ہو، کیا اس کو بادل سے تم برساتے ہو یا ہم برساتے ہیں ؟ اگر ہم چاہتے تو اس کو کڑوا کر دیتے ؟ پھر تم شکریہ کیوں نہیں ادا کرتے ؟ (واقف : ۶۸ - ۷۰)

اس میں بڑا لطیف اشارہ ہے کہ بارش کا پانی درحقیقت سمندروں ہی سے آتا ہے۔ کیونکہ لفظ "أَجَا ج" کے معنی کڑواے یا کھاری کے ہیں، جو سمندری پانی کی طرف صاف اشارہ۔ پھر یہاں پر شکر گزاری پر جو اُجھا را گیا ہے تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ اگر رب العالمین مذکورہ بالا عجیب و غریب اور حکیمانہ طریقے پر سمندری پانی کی نمکینی زائل نہ کر دیتا، تو پھر صفحہ گستی پر کوئی بھی حیوان یا نبات زندہ نہ رہ سکتا، بلکہ سب کے سب نمک بن جاتے، اور پوری زمین نمک سے بھر جاتی، کیونکہ کڑا ارض کا تقریباً ستر فیصد حصہ سمندروں ہی پر مشتمل ہے اور صرف تیس فیصد حصہ خشکی پر۔ دنیا کے سمندروں میں اس قدر نمک پایا جاتا ہے کہ اگر اس کو نکال کر خشکی کے تمام براعظموں پر پھیلا دیا جائے تو ہر جگہ اور ہر مقام پر پانچ سو فٹ موٹی تہ بن جائے، گویا کہ پورے کڑا ارض پر ایک دبیز قسم کی نمک کی چادر پڑھا دی گئی ہو، جس میں تمام چیزیں اور سارے حیوانات و نباتات نمک بن کر رہ جاتے۔

پس حکیم مطلق کا یہ کتنا بڑا احسان اور اُس کی رحمانیت کا کتنا بڑا اظہار ہے کہ اس قسم کی ہلاکت آفرینیوں سے ہم کو نہ صرف محفوظ رکھا بلکہ خض اظہار ربوبیت اور مخلوق پروری کی خاطر سمندروں سے

ایک حیرت انگیز طریقے سے نہایت درجہ شیریں اور حیات آفریں پانی بھی مہیا کر دیا، جس سے تمام حیوانات و نباتات سیراب ہوتے اور باغ و بہار کے مزے کھاتے ہیں، غالباً یہ ہے "فَلَوْلَا تَشْكُرُونَ" (ہم تم شکریہ کیوں نہیں ادا کرتے) کا صحیح مفہوم اور اس کا صحیح موقع و محل۔

سورج ایک باورچی

روشنی، حرارت اور پانی کے بعد اہمیت کے لحاظ سے غذا کا نمبر آتا ہے اور سائنسی تحقیقات سے یہ بات پوری طرح ثابت ہو چکی ہے کہ تمام پڑ پودے صرف دن کے وقت اور سورج کی روشنی ہی میں "غذا" تیار کرتے ہیں۔ سائنٹفک نقطہ نظر سے کسی بھی درخت کی پتیوں میں نہایت درجہ نچھے نچھے ہرے رنگ (کلوروفل) کے خوردبینی ذرات ہوتے ہیں، جن کو سائنسی اصطلاح میں کلوروپلاسٹ CHLOROPLAST کہا جاتا ہے۔ ان ہی ذرات کی بدولت پتیاں ہری دکھائی دیتی ہیں۔ یہی وہ حیرت انگیز ذرات ہیں جو سورج کی کرنوں کے تعامل سے پانی اور کاربن ڈائی آکسائیڈ کو آمیزہ کر کے شکر و نشاستہ CARBOHYDRATES میں تبدیل کر دیتے ہیں جو نہ صرف پودوں کی بلکہ تمام حیوانات کی بھی بنیادی غذا ہے۔ اور ہمارے جسم میں گرمی و حرارت اسی سے پیدا ہوتی ہے۔

یہاں پر یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ غلوں، پھلوں، دالوں اور مختلف قسم کے میوہ جات کا اکثر حصہ کاربوہائیڈریٹ ہی پر مشتمل ہوتا ہے، جو صرف سورج کی روشنی ہی میں پیدا ہوتا اور پروان چڑھتا ہے۔ سورج کے اس تعامل کو سائنس کی اصطلاح میں "شعاعی ترکیب" یا PHOTOSYNTHESIS کہتے ہیں۔

وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَجْرِي لِأَجَلٍ مُّسَمًّى يُدَبِّرُ الْأَمْرَ يُفَصِّلُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَاءِ رَبِّكُمْ تُوقِنُونَ : اور اُس نے آفتاب و ماہتاب کو کام میں لگایا جو تمہارے لئے مختلف قسم کی خدمتیں انجام دیتے ہیں، ان میں سے ہر ایک، ایک بالکل مقررہ وقت کے مطابق دوڑ رہا ہے۔ وہ (اللہ تمہارے کو نبی و تشریف بھی تمام) معاملات کی تدبیر کر رہا ہے اور اپنے نشانات و دلائل (ربوبیت) کھول کھول کر بیان کر رہا ہے۔ تاکہ تم اپنے رب کی ملاقات کا یقین رکھو (زمزم : ۲۰)

اسباب اور مسبب الاسباب

اس آیت کریمہ میں یہ حقیقت بھی پوری طرح واضح کر دی گئی ہے کہ اس کا رخاۂ عالم میں اگرچہ علت و معلول کا سلسلہ جاری کیا گیا ہے، اور مظاہر فطرت میں مختلف خواص و طبائع رکھے گئے ہیں، مگر یہ سب مستقل بالذات ہستیاں نہیں ہیں۔ بلکہ ان تمام کی باگ اور اصل زمام کار مدبر کائنات کے دستِ قدرت میں ہے۔ جیسا کہ تنبیہاً فرمایا۔ ”يُذَبِّرُ الْأَمْرَ“ یعنی تمام معاملات کی تدبیر اصل میں وہی کر رہا ہے۔ اس لحاظ سے یہ ظاہری اسباب و علل بے جان پتلیوں سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے، جن کے پس پردہ ایک عالی ہستی کی کار فرمائی جلوہ گر ہے۔ لہذا فروع انسانی کو ظاہری اسباب و علل میں الجھ کر شرک اور مظاہر پرستی میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے۔ یہ کارخانہ فطرت حقیقتاً ایک منظم پیمانے پر عجزت و بصیرت حاصل کرنے اور فکر و نظر میں چلا پیدا کرنے کی فرض سے تخلیق کیا گیا ہے، تاکہ ان اسباب و علل کے پس پردہ ایک شاہِ حقیقی کے وجود کا سراغ لگایا جاسکے، جس کے تابناک جلووں سے صفحہ کائنات کے تمام اوراق روشن و منور ہیں۔

آفتاب ہر فن مولا

غرض یہ چند بڑے بڑے فوائد ہیں جو ہم کو اس نیرِ آسمانی سے حاصل ہوتے ہیں۔ ان کے علاوہ او بھی بہت سی بیماریوں سے نجات ملتی ہے۔ اگر سورج نہ ہوتا تو پھر بیماریاں پھیلانے والے جراثیم کا دور دورہ ہوتا جو کڑا ارض کو پوری طرح تباہ کر کے رکھ دیتے، کیوں کہ ان جراثیم کی شرج پیدا نش نہایت درجہ سریع اور حیرت انگیز ہے۔ مگر سورج کی روشنی ان مضر جراثیم کو نابود کر دیتی اور ان کی تعداد کو بہت بڑی حد تک کم اور محدود کر دیتی ہے۔ اسی طرح آفتاب کی تمازت سے مختلف قسم کی نمی اور رطوبت بھی دور ہو جاتی ہے، جو بیماریاں پھیلانے کا باعث ہوتی ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ آفتاب اور اس کے نظام میں بیش بہا حکمتیں اور مصلحتیں مضمر ہیں، جن کے ملاحظہ اور مطالعہ سے نقاش فطرت کی بے مثال کاریگری کی داد دینی پڑتی ہے کہ اُس نے اپنے کمال قدرت اور حد درجہ حکمت سے کس قدر حیرت ناک نظام مقرر کر دیا ہے۔ ! فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ۔

آفتاب رسالت

صفات نبوی

یہ تھا آفتابِ عالم اور چراغِ فلک کی حقیقت و ماہیت اور اُس کی کارکردگیوں کا ایک مختصر سا جائزہ اور امتحانِ بصیرت۔

اب آفتاب رسالت ”اور اُس کی ماہیت و کارکردگی کا بھی ایک جائزہ لے لیجئے۔ اس سے پتہ چلے گا کہ جس طرح چراغِ فلک سے ہماری مادی زندگی کی تمام ضروریات پوری ہوتی ہیں، اسی طرح ”چراغ رسالت“ سے ہماری روحانی زندگی کی جملہ حاجتیں بھی پوری اور اُس کے نقش و نگار سے آراستہ ہو جاتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ جب خدا نے بنی نوع انسان کی مادی زندگی کا اس قدر خیال رکھا ہو اور بغیر کسی رکاوٹ کے ان کی تمام ضروریات پوری کرتا چلا جا رہا ہو، تو ایسا شفیق و مہربان خدا انسان کے روحانی سدھار اور اس کے اخلاق و کردار کی تعمیر و تہذیب سے غافل کیسے رہ سکتا ہے !

أَفَنَضْرِبُ عَنْكُمْ الذِّكْرَ صَفْحًا أَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّشْرِقِينَ : کیا ہم تمہاری سبق آوری سے اس لئے رک جائیں کہ تم حد سے گزر جانے والے بن جاؤ۔ (زخف : ۵)

بہر حال حسب ذیل دو آیات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چند صفات بیان کی گئی ہیں، جن سے مقاصد رسالت پر روشنی پڑ جاتی ہے :

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا۔ وَذَرِيعًا إِلَى اللَّهِ بِأَذْنِهِمْ وَيَسْرًا جَاءَ مُبَشِّرًا : اے نبی ! ہم نے آپ کو (تمام لوگوں کے لئے) شاہد، مبشر اور متنبہ کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔ نیز (اُس نے آپ کو) اللہ کی طرف بلانے والا۔ اُسی کے حکم سے۔ اور روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے۔ (احزاب : ۴۵-۴۶)

اس آیت کریمہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پانچ صفات سے مُتصف کیا گیا ہے :

ما شاہد ما بُشِّر ما نذیر ما داعی الی اللہ - اور - ما سراج مُنیر یعنی روشن چسراغ -

اس موقع پر پیرِ آخر الزماں کی جو جامع صفات بیان کی گئی ہیں، قرآن مجید کے کسی دوسرے مقام پر اس قدر جامع انداز میں مذکور نہیں ہیں۔ صفات نبوی کے اس ملاحظہ سے منکرینِ حدیث کا یہ خیال باطل ہو جاتا ہے کہ رسول کی حیثیت محض نامہ بر یا قاصد کی سی ہوتی ہے۔ اور ثابت ہوتا ہے کہ وہ ایک داعی بھی ہوتا ہے، اور متنبہ کرنے والا بھی، شاہد بھی ہوتا ہے اور نگرانِ کار بھی، جس کا اُسوہ (نمونہ زندگی) سب کے لئے قابلِ عمل اور جس کی اطاعت واجب التعمیل ہوتی ہے۔ اسی لئے اس کو ”سراج منیر“ کہا گیا ہے۔ رسول کا اصل منصب کیا ہے، اس پر ذیل کی آیت بخوبی روشنی ڈالتی ہے:

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَهُوَ الَّذِي هَدَىٰ نَارَ الْفُسْطَاطِ ۚ إِنَّكَ لَن تَجِدَ أُمَّةً مُّسْلِمَةً إِلَّا أَوَّاهًا وَخَائِفًا أَوْ فَاعِلًا ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ (جمہ: ۲)

ما تلاوت آیات ما تزکیہ نفوس ما تعلیم کتاب ما اور تعلیم حکمت۔ اگر آپ غور فرمائیں تو یہ چار امور بھی اوپر گنائی گئی پانچ صفات ہی کے دائرے میں گھومتے نظر آئیں گے۔ صرف اسلوب اور تعبیر کا فرق نظر آئے گا۔ اس حیثیت سے یہ دونوں مقامات ایک دوسرے کی بہترین تشریح و تفسیر کرتے نظر آ رہے ہیں۔

منصب رسالت

اگر منصب رسالت صرف نامہ بری ہی کی حد تک رہتا تو پھر ”تلاوت آیات“ ہی کافی تھا، تزکیہ نفوس اور کتاب و حکمت کی تعلیم کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک فکری و روحانی لئے اس آیت کریمہ میں منصب رسالت کو چار امور میں محصور کیا گیا ہے۔

انقلاب برپا کرنے یا روحانیت کی نشوونما اور اس کی آبیاری کے لئے لوگوں کی صحیح ہدایت پر تربیت یا ٹریننگ بھی ضروری ہے۔ محض وعظوں اور کچھوں سے دنیا کی کاپلاٹ نہ کبھی ہو سکتی ہے، اور نہ کبھی ہو سکتی ہے۔ اسی لئے ”تزکیہ نفوس“ اہداف رسالت کا ایک اہم ترین ہدف و نشانہ قرار دیا گیا ہے۔ یعنی رسول کا اصل منصب یہ ہے کہ وہ اپنی نگرانی میں اپنے پیروؤں کی صحیح تربیت کرے، اور ان کے دلوں سے دنیا کی گندگیوں کو نکال کر انہیں کارزارِ حیات میں ایک انسان کی طرح رہنا سکھائے۔ ان کی سیرتوں کے نفوس کو سنوارے۔ انہیں نظامِ عدل کا پابند بنائے۔ اور ایک ایسی جماعت تیار کرے، جو دوسروں کی بھی اصلاح و تربیت اپنی غلطی پر کر سکے۔

لَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا :

تاکہ تم نوبہ انسانی پر شاہد بن سکو اور رسول تم پر شاہد رہے۔ (بقرہ: ۱۴۳)

یہاں پر ”شہادت“ میں دراصل بہت وسیع مفہوم پایا جاتا ہے، جس میں یہ مفہوم بھی داخل ہو سکتا ہے۔ اسی بناء پر سورہ احزاب میں رسول کو ”شاہد“ (نگران) قرار دیا گیا ہے، جو رسالت کا ایک نمایاں ترین وصف ہے، اور اسی بناء پر اس کو ”روشن چراغ“ بھی کہا گیا ہے۔ یعنی جس کی روشنی سے پوری روحانی کائنات منور اور بقعہ نور بن جائے اور انسانیت کی تمام اخلاقی بیماریاں دور ہو جائیں، جس طرح کہ آفتاب سے انسان کی تمام مادی ضروریات پوری ہو جاتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ مقصدِ عظیم محض نامہ بری سے حاصل نہیں ہو سکتا تھا، بلکہ اس کے لئے تربیت و نگرانی بھی ضروری تھی۔

تزکیہ نفوس کا صحیح مفہوم ہے ایک مقررہ ”ٹریننگ کورس“ یعنی ”تلاوت کتاب“ یا کتابی نظریات و تعلیمات کو عملی دنیا میں برتنا سکھانا اور پوری زندگی کو ربانی مشا و مقصد کے مطابق اسلامی سانچے میں ڈھلنے کی پراکٹس کرانا، جو فکرِ آخرت کی بنیاد پر ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ جب تک نفوس کا تزکیہ نہ ہوگا یا صحیح بیانیہ پران کی روحانی تربیت نہ ہوگی، انسانی دل و دماغ صحیح خدا پرستانہ جذبات سے معمور نہ ہو سکیں گے، عمل صالح پیدا نہ ہو سکے گا اور انفرادی و اجتماعی زندگی میں انسانی اعمال کی تظہیر ممکن نہ ہو سکے گی۔ ظاہر ہے کہ جس معاشرہ میں تقویٰ، لُہیت اور اخلاص کا فقدان ہوگا وہ کبھی پنپ نہیں سکے گا۔

اس میں تہذیب و شائستگی کے برگ و بار نہیں آسکیں گے۔ برائیوں اور خود غرضیوں کا خاتمہ نہ ہو سکے گا۔ انسانیت کی سطح بلند نہ ہو سکے گی۔ حیوانیت و انانیت پر قابو نہیں پایا جاسکے گا۔ نفسانی خواہشات اور ہوس رانیوں کا استیصال نہیں ہو سکے گا۔ ملکوئی صفات پیدا نہ ہو سکیں گے اور کردار و گیر کٹر درست نہیں ہو سکے گا۔ غرض تزکیہٴ نفوس کے بغیر ایک صالح، پاکیزہ اور خلص و متوازن معاشرہ کی تشکیل ممکن نہیں ہو سکے گی۔ اور انسان صحیح معنی میں کبھی انسان نہیں بن سکے گا۔ ظاہر ہے کہ کوئی شخص کسی اُستاد اور رہبر کی مدد کے بغیر محض کتابیں پڑھ کر ایک ماہر ڈاکٹر، جراح اور انجینئر وغیرہ نہیں بن سکتا۔ ”تعلیم کتاب“ سے دراصل ایک فکری و نظریاتی انقلاب برپا ہوتا ہے، تو ”تزکیہٴ نفوس“ سے زندگیوں میں ایک عملی و روحانی انقلاب آجاتا ہے۔ ایک سے اگر فکر و نظر کی اصلاح ہوتی ہے تو دوسرے سے عمل و کردار کی تعمیر ہوتی ہے۔ پہلی چیز دل و دماغ کی صفائی ہوتی ہے۔ تو دوسری چیز معاشرے کی تطہیر ہوتی ہے۔ غرض تزکیہٴ نفوس ہی سے تقویٰ اور طہارت کی کلیاں چمکتی ہیں اور اخلاص و ولہیت کے برگ و بار نمودار ہوتے ہیں جن سے انسانیت کی تعمیر نو ہوتی ہے

اسلامی تصوف

اسلام میں تصوف کی اصل غرض و غایت دراصل نفوس کا تزکیہ کرنا (صیقل کرنا) اور انانیت کو کچل کر خوف و خشیتِ الہی کے جذبات ابھارنا ہے، اس طرح کہ ایک انسان اپنی چوبیس گھنٹوں والی زندگی میں خدا کے حاضر و ناظر ہونے کے عقیدے کو۔ جس کو وہ ”تعلیم کتاب“ سے حاصل کر چکا ہوتا ہے۔ مستحضر رکھتے ہوئے مصروفِ عمل ہو جائے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے :

اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ ، فَاِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ : تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو، گویا تم اُس کو دیکھ رہے ہو۔ اگر تم اُس کو دیکھ نہ سکو تو (کم از کم اتنا ضرور تصور کرو کہ) وہ تم کو ضرور دیکھ رہا ہے۔ (مسلم شریف)

یہاں پر عبادت سے مراد محض نماز، روزہ ہی نہیں، بلکہ عبادت کے تمام مظاہر و مراسم بھی ہیں۔ یعنی ہر کام اور ہر فعل، خواہ وہ نماز روزے سے تعلق رکھتا ہو یا ہماری معاشرتی و کاروباری زندگی سے۔

انفرادی معاملات سے تعلق رکھتا ہو یا اجتماعی امور سے۔ قوی زندگی سے متعلق ہو یا بین الاقوامی روابط سے۔ وہ ہر حال میں خدا کو حاضر و ناظر گردانتے ہوئے اُس کی مرضی و مشاکے مطابق ہونا چاہئے۔ ظاہر ہے کہ یہ عظیم الشان مقصد، بغیر کسی عملی تربیت کے محض و عظوں اور لکھڑوں سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور یہ اعلیٰ اوصاف و صفات بغیر کسی تربیتی کورس کے محض چند کتابوں کو زٹ لینے سے پیدا نہیں ہو سکتے۔ بقول علامہ اقبال ؎

یہ عقل جو مہ و پرویں کا کھیلتی ہے شکارِ شریکِ شورشِ پنہاں نہیں تو کچھ بھی نہیں

خود نے کہہ بھی دیا ”لا الہ“ تو کیا حاصلِ دل و نگاہِ مُسلمان نہیں تو کچھ بھی نہیں

نماز کا صحیح مقام

لہذا دنیا کی اصلاح اور معاشرے سے اخلاقی و روحانی خرابیوں کے استیصال کے لئے نہ صرف ایک تربیتی کورس ضروری ہے، بلکہ ایک مثالی کردار اور آئیڈیل نمونے کی بھی ضرورت ہے، تاکہ تمام لوگ اس مثالی کردار کو پیش نظر رکھ کر اپنی زندگیوں کو اس کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کر سکیں۔ لہذا پیغمبرِ آخر الزماں کو ایک مثالی و مرکزی کردار بنا کر پوری ”امتِ دعوت“ اور ”امتِ اجابت“ کے سامنے پیش کیا گیا۔ یہ مثالی کردار آج ہمارے سامنے ”سُنّتِ نبویؐ“ کی شکل میں موجود و محفوظ ہے، جو ”اُسوۂ رسولؐ“ بھی کہلاتا ہے۔

اب رہا تربیتی کورس، تو اُس کی بہترین شکل اسلامی نماز ہے، جس کے ذریعہ روزانہ پانچ پانچ مرتبہ بارگاہِ ایزدی میں حاضر ہو کر ”تجدیدِ عہد“ کیا جاتا ہے۔ یعنی بندہ ہر دن پانچ مرتبہ بارگاہِ احدیت میں حاضر ہو کر نہ صرف اپنی عبدیت کا اعلان کرتا ہے، بلکہ کارزارِ حیات میں خدا کے وجود کو فراموش نہ کرنے، ہمیشہ اور ہر حال میں اُس کو حاضر و ناظر گرداننے اور اُس کے احکام سے سرکاری نہ کرنے کا اقرار و اعتراف بھی کرتا رہتا ہے۔ یہ طریقہ نفسیاتی اعتبار سے فطرتِ انسانی کے عین مطابق ہے۔ ورنہ انسان کے

لے اس سے طرزیات تک کے تمام لوگ اور پوری نوعِ انسانی ہے۔

لے اس سے مراد وہ لوگ ہیں، جو آپ کی رسالت پر ایمان لے آئے۔

”باغیانہ جذبات“ برقرار پانا اور اُس کو لہو و لعب میں پڑنے سے بچانا ممکن نہ ہوتا۔

ظاہر ہے کہ جو شخص اپنے ”کاروبار حیات“ کے دوران روزانہ کم از کم پانچ پانچ مرتبہ اپنے مالک و آقا اور ربِّ کریم کے حضور میں حاضری دے رہا ہو، جس کے متعلق خود اس کا یہ عقیدہ ہو کہ وہ تمام کھلے اور چھپے کا جاننے والا بلکہ دلوں تک کے اسرار سے واقف ہے، وہ بھلا اُس کے احکامات و مرضیات سے سرتابی کیسے کر سکتا ہے؟ زندگی کے ہنگاموں میں اُس کو فراموش کیسے کر سکتا ہے؟ اور اس سے بغاوت کا رویہ اختیار کیسے کر سکتا ہے؟

نمازیں دراصل جذبہ عبودیت کے اظہار کے علاوہ احتسابِ اعمال کی بھی پوری پوری صلاحیت و استعداد موجود ہے، جس کی بدولت نہ صرف نفس کی تہذیب ہوتی ہے، بلکہ انسانی معاشرے میں نیم بہار کے جاں فزا جھونکے بھی چلنے لگتے ہیں، جن سے طبیعت کو فرحت و تازگی حاصل ہوتی ہے، بشرطیکہ نماز کو نماں سمجھ کر اُس کے پورے آداب اور لوازم و شرائط کے ساتھ ادا کیا جائے، جس کو قرآن حکیم کی اصطلاح میں ”اقامتِ صلوٰۃ“ کہا گیا ہے۔

بہر حال جب تمام بندوں کا حال ایسا ہو جائے تو ظاہر ہے کہ اس معاشرے کی کاپیٹ جائے گی۔ جس میں نہ تو کوئی دوسرے پر ظلم و زیادتی کر سکتا ہے اور نہ کسی کا حق مانا جاسکتا ہے، نہ کوئی بُرائی کر سکتا ہے اور نہ اس کے قدم کسی بد اخلاقی و بد کاری کی جانب اٹھ سکتے ہیں۔ اسی لئے کہا گیا ہے:

إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ : نماز یقیناً بُرائیوں اور بد کاریوں سے روکتی ہے۔ (عنکبوت: ۴۵)

تصوف کیا ہے؟

اس لحاظ سے نماز ”تزکیہٴ نفوس“ اور تہذیبِ اخلاق کی ایک آسان شکل اور ہر ایک کے لئے ایک قابلِ عمل نسخہ ہے۔ مگر اس تزکیہ کی انتہائی شکل تصوف کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے۔ اس سے دراصل تقویٰ و جہارت اور خوف و خشیتِ الہی کا ”ٹیمپرچر“ بڑھ جاتا ہے۔

واقعہ یہ کہ تصوف شریعت سے ہٹ کر کوئی چیز نہیں، بلکہ اس سے حقیقتاً شریعت ہی کی تکمیل

مقصود ہے۔ وہ شریعت کی ضد اور اُس سے متضاد نہیں، بلکہ اُس کا خادم اور متم ہے۔ تصوف حقیقتاً نام ہے ”تزکیہٴ نفوس“ کا۔ اور جو چیز شریعت کے خلاف اور اس کی ضد ہو، وہ تصوف نہیں، بلکہ دراصل ضلالت و گمراہی ہے۔

تصوف کی اصلیت بس اتنی ہی ہے کہ انسان کی تربیت و اصلاح اور اُس کے اخلاق کی تہذیب ہو جائے۔ اُس کی زندگی سے اہمہ قسم کی بُرائیاں دور ہو جائیں اور وہ خدا کو ہمیشہ اور ہر مقام پر حاضر و ناظر گردانتے ہوئے شرعی احکامات سے مدد و نافرمانی کرنے سے باز آجائے۔

در کفے جامِ شریعت، در کفے سندانِ عشق

تصوف کا مہتمائے مقصود سوزِ جگر کو جلاء دینا اور ”عشق“ کی آگ کو بھڑکانا ہے۔ جس کی بدولت ہنگامہائے وجود میں حُسنِ اخلاق کے سوتے پھوٹتے ہیں۔ محبت و مروت اور امن و امان کے شگوفے نمودار ہوتے ہیں۔ بقول اقبالؔ

عشق کے مضرب سے نغمہٴ تارِ حیات عشق سے نثرِ حیات، عشق سے نثرِ حیات

سُنّتِ رسولؐ

اب رہا مثالی کردار اور ایک آئیڈیل نمونہ، تو وہ ”اُسوۃٴ رسولؐ“ ہے، جو آج ہمارے سامنے ”سُنّتِ نبویؐ“ کی شکل میں موجود و محفوظ ہے۔ ”سُنّتِ نبویؐ“ کی صحیح تعریف یہ ہے: ”وہ اقوال و افعال یا وہ عملی طریقے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ”تزکیہٴ نفوس“ کی خاطر اور ”تعلیمِ کتاب“ کی تشریح و توجیہ کے لئے اختیار کئے“ اسی کا دوسرا نام ”حکمت“ ہے۔ یہ ہے ”وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ“ کا صحیح مفہوم۔

غرض یہ کہ رسولِ محضؐ ڈاکیہ اور چٹھی رساں ہی نہیں ہوتا، بلکہ وہ پوری دنیا کی تعلیم و تربیت

للہ پوری آیت شروع میں گزر چکی ہے، جو یہ ہے: هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ : وہی تو ہے جس نے ان بڑھوں میں انہی کی قوم سے ایک پیغمبر مبعوث کیا، جو ان کو خدا کے احکام پڑھ کر سناتا ہے، ان کو پاک و صاف کرتا ہے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ (جمعہ: ۲)

اور اُس کی اصلاح حال کے لئے مبعوث کیا جاتا ہے۔ وہ جس طرح لوگوں کے عقائد کی اصلاح کرتا ہے، اسی طرح وہ ان کو مبراہمِ عبودیت بھی سکھاتا ہے۔ اُن کے آپس کے فیضیہ بھی چکاتا ہے اور ان کے باہمی منافقت و نزاعی امور کے درمیان فیصلے بھی کرتا ہے۔ وہ نہ صرف احکامِ خداوندی بندوں تک پہنچاتا ہے، بلکہ اُن کے نشیب و فراز بھی سمجھاتا ہے۔ وہ نہ صرف آیاتِ الہی کی تلاوت کرتا اور اُن کی تعلیم دیتا ہے، بلکہ اُن کے معافی و مطالب اور ان کے غموض و اسرار سے بھی آگاہ کرتا ہے۔ پھر خود اپنے عمل و کردار سے ان تمام امور کی مزید وضاحت اور ربانی مشاء و مقصد کا ٹھیک ٹھیک تعین بھی کرتا ہے، تاکہ لوگوں کو کسی بھی معاملے میں کسی بھی قسم کا شبہ یا اشتباہ نہ رہ جائے۔ اور تمام لوگ محض اس کے عمل اور نقوش ہی کو دیکھ کر ربانی مشاء و مقصد کو سمجھ لیں اور اُس کے مطابق اپنی زندگیوں کو ڈھال لیں۔ کیونکہ ایسی نصیحت جو بلا عمل اور ایسا کچر جو بلا کردار ہو اسلام کی نظروں میں انتہائی مبغوض اور سخت ناپسندیدہ ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری ہے :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ - كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ : اے ایمان والو! تم ایسی بات کیوں کہتے ہو جو خود کرتے نہیں ہو؟ اللہ کے نزدیک یہ بڑی قبیح حرکت ہے کہ تم وہ بات کہو جو خود کرو نہیں۔ (صف : ۲-۳)

یا بالکل ایک نظری، منطقی اور واقعاتی حقیقت ہے کہ لوگ اُس شخص کی باتوں کو کوئی اہمیت دینے کے لئے تیار نہیں ہوتے جو محض گفتار کا غازی اور کردار سے تہی دامن ہو اور جس کے اقوال و افعال میں کھلا ہوا تضاد موجود ہو۔ ظاہر ہے کہ جب عام مومنین کا قوی و ملی تضاد قابلِ مذمت ہے، تو پھر ایک نبی و رسول اور رہبرِ امت کا تضاد قابلِ مذمت کیوں نہ ہوتا! اس لحاظ سے دیکھا جائے تو پھر تسلیم کرنا پڑے گا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی قرآنِ کریم ہی کی عملی تفسیر رہی ہوگی، یعنی جو جو احکام و اوامر آپ کے ذریعہ قرآن میں دئے گئے ہیں، اُن پر خود آپ اولین طور پر عامل رہے ہوں گے۔ ورنہ پھر قول تو خود آپ کے پیش کردہ کلام کی مخالفت لازم آتی۔ اور دوسری حیثیت سے آپ کے پند و نصائح بے وزن اور بے تاثیر ہو جاتے۔ حالاں کہ یہ ایک ناقابلِ فراموش تاریخی حقیقت ہے کہ آپ نے ایک ایسا کامیاب اور ہمہ گیر انقلاب برپا کر دیا، جس کی مثال پیش کرنے سے پوری انسانی تاریخ عاجز ہے۔ کیا ایسا لاثانی اور حیرت انگیز انقلاب بغیر کسی عمل و کردار کے

محض چکنی چپڑی اور لچھے دار باتوں یا خشک پتھروں کے ذریعہ برپا ہو سکتا تھا؟ حالاں کہ نہ صرف تاریخی اعتبار سے بلکہ خود قرآن حکیم سے بھی ثابت ہے کہ آپ کردار و گیر کٹر کے لحاظ سے ایک بلند و اعلیٰ اور عظیم شخصیت کے الگ تھے۔

وَلَا تَأْتِي لَعْنَةُ الْخَلْقِ عَظِيمٌ : بلاشبہ آپ اخلاق کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہیں۔ (قلم : ۴)

آپ کا یہی وہ بلند و اعلیٰ کردار اور مہین اخلاق ہے، جس کی اتباع و پیروی کی ایک دوسری صورت پر تاکید کی گئی ہے :

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ. وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ : کہہ دو کہ اے مسلمانو! اگر تم کو اللہ سے محبت کا دعویٰ ہو تو میری اتباع کرو۔ اس کے عوض اللہ بھی تم سے محبت کرے گا۔ اور تمہارے گناہوں کو معاف کرے گا۔ اور اللہ بڑا ہی بخشنے والا اور رحمدل ہے۔ (آل عمران : ۳۱)

آپ کا یہی وہ کردار و گیر کٹر ہے، جو آپ کا اُسوہ یا سنتِ رسول بھی کہلاتا ہے۔ اور یہ اُسوہ یا سنت کوئی وقتی و عارضی چیز نہیں تھی، بلکہ اُس کی حیثیت دائمی و ابدی ہے۔ جو رہتی دنیا تک تمام انسانوں کے لئے روشنی کا منارہ اور انسانیت کا قابلِ فخر معیار رہے گی۔ چنانچہ ایک حدیث میں آپ نے اپنی بعثت و رسالت کا مقصد و حید اخلاق و کردار کی تکمیل ہی قرار دیا ہے :

إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأَتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ : میں تو اخلاقِ کریمانہ کی تکمیل ہی کے لئے بھیجا گیا ہوں۔

چراغِ فلک اور چراغِ رسالت

دوروشن چراغ

غرض اللہ تعالیٰ نے جس طرح عالم انسانی کی مادی و جسمانی ضروریات کی تکمیل کے لئے فطرت کا ایک ضابطہ بنایا اور آفتابِ عالمیت کو اس ضابطہ کے مطابق عمل پیرا کرنے کے لئے مسخر کیا اور کلام میں لگایا، اسی طرح انسان کی اخلاقی و روحانی احتیاجات کو پورا کرنے کی غرض سے شریعت کا بھی ایک نظام بنایا اور ایک قانون نافذ کیا۔ اور پیغمبروں کو دنیا کی اصلاح اور رشد و ہدایت کے لئے مبعوث کیا تاکہ فطرت و شریعت کے نظاموں میں توازن و ہم آہنگی برقرار رہے، اور ترازو کے دونوں پلے سیدھے رہیں۔ جس طرح ہمارے آفتاب کی پوری زندگی مختلف تکنیکی NATURAL ضوابط کی پابند ہوتی ہے، جس سے وہ کبھی ایک سرسبز و برابر بھی تجاوز نہیں کرتا۔ اسی طرح انبیائے کرام کی پوری زندگی بھی شرعی ضوابط یا احکام خداوندی کی پابند ہوتی ہے، جس سے وہ ارادتا کبھی ایک تنگے برابر بھی عدول نہیں کرتے، گویا کہ سورج کی کرنوں سے اگر پورا خاکدانِ عالم روشن و منور ہوتا ہے، تو انبیائے کرام کی حیات آفریں شعاعوں سے دنیائے انسانیت کے قلوب و اذہان صیقل ہو جاتے ہیں۔ دلوں سے زنگ و رکاوٹ دور ہو جاتا ہے۔ اس کے الگ الگ سے اُمید و یقین کے چشمے بھوٹنے لگتے ہیں اور مایوس ناکامی اور دکھی انسانوں کو آپ جیوان اور حیات جاودانی مل جاتی ہے۔

اس لحاظ سے انبیائے کرام کی پاکیزہ سیرت اور ان کا شالی کردار رہتی دنیا تک پوری نوبہ انسانی کے لئے روشنی کا عظیم و لافانی منارہ رہے گا۔

لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ : ہم نے اپنے رسولوں کو یقیناً کھلے کھلے دلائل کے ساتھ بھیجا ہے اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان اتار دئے ہیں، تاکہ لوگ اعتدالی پر قائم رہیں۔ (حدید: ۲۵)

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ : تمہارے لئے اللہ کے رسول ہیں (ان کی سیرت میں) ایک بہترین نمونہ عمل موجود ہے۔

دونوں میں مشابہت

خلاصہ بحث یہ کہ "آفتابِ عالم" اور "آفتابِ رسالت" میں حسب ذیل حیثیتوں سے مشابہت و مناسبت پائی جاتی ہے :

۱۔ جس طرح آفتاب اپنے تابع ستاروں کو روشن و منور کرتا ہے، اسی طرح آفتابِ رسالت بھی پوری روحانی کائنات کو جگمگاتا ہے۔

۲۔ جس طرح نیرِ فلکی ایک لگے بندھے و متوالِ عمل اور کامل نظم و ضبط کا مظاہرہ کرتا ہے، جس میں کبھی رد و بدل نہیں ہوتا، اسی طرح رسول کی پوری زندگی بھی خدائی قوانین و ضوابط کی پابند ہوتی ہے۔ اسی بنا پر انبیائے کرام کی سیرتوں کو اوپر کی آیتوں میں "میزان" سے تعبیر کیا گیا ہے۔

۳۔ شمسی روشنی اور حرارت اُس کی اپنی اور ذاتی ہوتی ہے، اگرچہ وہ خلاقِ فطرت ہی کی بخشی ہوئی ہے۔ اسی طرح رسول کی حیثیت بھی مستقل بالذات ہوتی ہے، اور وہ اپنی ذاتی استعداد اور قوت و صلاحیت کو بروئے کار لا کر عالم انسانی کے مفاد اور اُس کے سدھار کے لئے مختلف طریقے اختیار کرتا اور آزماتا ہے، جو بالآخر "سنت" کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔

۴۔ جس طرح سورج اپنی ضیاء اور تابش میں بھرپور ہے، اسی طرح آفتابِ رسالت بھی اپنی قوت اور ضیاء باریوں میں نہایت درجہ روشن اور صوفشاں ہے۔

۵۔ ہماری مادی کائنات جس طرح آفتاب اور اُس کے مظاہر کی رہیں منت ہے، اسی طرح ہماری پوری روحانی زندگی بھی نیرِ رسالت کی محتاج اور ضرورت مند ہے۔

۶۔ آفتاب جس طرح اپنی تیش و سوزش کے ذریعہ گڑے ارض پر پھیلی ہوئی گندگیوں کو دور کرتا ہے، جراثیم کو ہلاک کرتا ہے اور مختلف بیماریوں کا استیصال کر دیتا ہے، اسی طرح شمسِ رسالت بھی اپنی تابناک نورانی شعاعوں سے روح کی گندگیوں اور اُس کی آکاشیوں کو دُور کر رہا ہے۔ اخلاقِ کریمہ کو جلا بخشا ہے، صالح قوتوں کو

اُبھارتا اور گیسوئے انسانیت سنوارتا ہے۔

۷۔ آفتاب جس طرح اپنی روشنی اور توانائیوں کے خزانے بالکل مفت لٹاتا ہے، اسی طرح آفتاب رسالت بھی بالکل مفت ضیاء باریاں کرتا ہے۔ اور اپنی کارکردگیوں پر کوئی اجرت یا معاوضہ طلب نہیں کرتا، جیسا کہ ارشاد باری ہے :

قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ : کہہ دو کہ میں اس (دعوت و ہدایت) پر کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا۔ یہ تو سارے جہاں کے لئے ایک درس (انعام: ۹۰)

۸۔ سورج کے بغیر ہنگامہ ہائے حیات کا کارواں رواں رہنا ممکن ہی نہیں۔ سورج ہی کی بدولت تمام انسانی و حیوانی ضروریات پوری ہوتی ہیں۔ جیسا کہ تفصیل گزر چکی، اُسی کی بدولت وہ پانی میسر آتا ہے، جو نہ صرف ہماری پیاس بجھاتا ہے، بلکہ عالم حیوانی کے لئے غذا بھی فراہم کرتا ہے۔ پانی ہی کی بدولت پیڑ پودے نشوونما پاتے ہیں اور غلہ اور اناج پیدا ہوتا ہے۔ گویا کہ سورج کے بغیر ہلک کر اور پیاس سے تڑپ تڑپ کر مرنا پڑتا۔ اسی طرح انبیائے کرام کی مقدس اور روشن سیرتوں کے بغیر نہ تو دنیا سے اخلاقی بُرائیاں دور ہو سکتی ہیں، اور نہ سماجی بے چیدگیاں رفع ہو سکتی ہیں۔ نہ تہذیبی و تمدنی جھگڑے فسادات مٹ سکتے ہیں، نہ قومی اور بین الاقوامی مشکلات اور پیچیدہ مسائل کا حل مل سکتا ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ آفتاب رسالت کے بغیر پورا عالم انسانی ایک تپتی ہوئی بھٹی اور گرم توبر بن جائے گا، جس میں سارے انسان مجلس مجلس کر ختم ہو جائیں گے۔ جیسا کہ موجودہ معاشرہ کہہ رہا ہے، راہ رویوں اور اخلاقی اقدار کی پامالی کے باعث زندگی دوبھر ہو گئی ہے، اور تہذیب و تمدن ہی خطرے میں پڑ گئے ہیں۔ اگر اخلاق و کردار کے کچھ نمونے کہیں باقی رہ گئے ہیں، تو وہ محض اپنی پاک سیرتوں کے اثرات و باقیات کی بدولت۔ اور اگر اُمید کی کوئی کرن نظر آ رہی ہے، تو اسی اخلاقی و کردار کے احیاء ہی میں، جس کو موجودہ ”ڈاروینیت“ نے بہت بڑی حد تک زائل کر دیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ان دو ”روشن چراغوں“ میں سے کسی ایک کا فقدان بھی زندگی کو شکل ہی نہیں بلکہ جہنم زار بنا دیتا ہے۔ لہذا انسانیت کا تقاضہ ہے کہ رب العالمین کی نعمتوں اور اس کی نوازشوں کا شکر ادا کرے

طور پر اپنے آپ کو خداوندِ کریم کے سپرد کرے اور اس کی عائد کردہ شرعی و اخلاقی پابندیوں کو تسلیم کر لے۔ اس میں نہ صرف عالم انسانی کی فلاح و کامرانی ہے، بلکہ اس سے فطرت و شریعت کا نغمہ و ساز بھی متحد و مشترک ہو جائے گا۔ لہذا انسانیت کا تقاضہ ہے کہ جس شفیق و مہربان ہستی نے انسان کی تمام بنیادی ضروریات کا اس قدر اہتمام فرمایا اور اتنی فراخ دلی سے کام لیا ہو، اُس کی عائد کردہ شرعی و اخلاقی پابندیوں کو تسلیم کر لیا جائے اور اپنے آپ کو اس عظیم دلائلی ہستی کے سپرد کر دیا جائے۔

رسالت ایک مستقل سرچشمہ

آفتاب جس طرح روشنی اور حرارت کا ایک مستقل منبع ہے۔ اگرچہ وہ خدائی حکم و ارادہ ہی کا تابع کیوں نہ ہو۔ اسی طرح رسول بھی ہدایت و رہنمائی کا ایک مستقل سرچشمہ اور مستقل بالذات شخصیت کا حامل ہوتا ہے، یعنی اُس کی حیثیت بھی شارع اور واضع قوانین کی ہوتی ہے، اگرچہ وہ ”ارادت الہی“ ہی کے تابع ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حدیثوں کے ذریعہ بعض ایسے احکام بھی دئے گئے ہیں جو قرآن مجید پر تو اضافہ ہیں، مگر وہ کسی بھی طرح خلاف قرآن نہیں قرار دئے جاسکتے۔ کیونکہ اضافہ اور اختلاف دو الگ الگ چیزیں ہیں۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ - إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ : وہ اپنی خواہش نفسانی سے باتیں نہیں بناتا۔ وہ تو محض وحی ہے، جو اُس پر بھیجی جاتی ہے۔ (نجم: ۳۰-۳۱)

چند مزید حقائق

مذکورہ بالا حقائق کے علاوہ چند مزید اسرار و معارف بھی ہیں، جو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ”سراج منیر“ سے تشبیہ دینے میں ملحوظ رکھے گئے ہیں :

۱۔ پیغمبرِ آخر الزماں ایک مکمل دین و شریعت کے حامل ہیں، یعنی دینِ الہی کے وہ امور اور وہ پہلو جو کہ سابقہ انبیائے کرام بعض وجوہات کی بنا پر اجاگر نہ کر سکے تھے، ان تمام اسرار کو کھول کر بیان

لے بمصدق آید کہ میرا آئینہ آلاءِ الٰہیہ کی تابعت ہے، لہذا حکمِ بین الناس بناؤں ازلہ اللہ! (لے محمد!) ہم نے یہ کتاب تمہارے پاس حقانیت کے ساتھ بھیجی ہے، تاکہ اس کی فہمائش کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلہ کرتے رہو۔ (نساء: ۱۰۵)

کرنا اور انسانی زندگی کے ایک ایک پہلو کو روشنی میں لے آنا بھی رسالتِ محمدی کا ایک تابناک پہلو ہے۔

۲۔ کتاب (ژان مجید) کے غموض اور اُس کی پیچیدگیوں کی نقاب کشائی۔ چنانچہ قرآن حکیم کا کوئی بھی مضمون تورات و انجیل (موجودہ بائبل) کے مضامین کی طرح مبہم، پیچیدہ اور ناقابلِ فہم نہیں ہے۔ بلکہ اُس کی شرح اور تفسیر یا تو خود قرآن ہی کے دیگر مقامات سے ہو جاتی ہے یا سنتِ رسولؐ سے ہوتی ہے۔ یا پھر کائنات کے اسرار و معارف اور اُس کے راز ہائے سر بستہ کی نقاب کشائی سے۔

۳۔ سب سے بڑی حقیقت یہ کہ جس طرح آفتاب غروب ہو جانے کے بعد بھی اپنی روشنی چاند کے ذریعہ منعکس کر کے کائناتِ ارضی کو منور کرتا ہے، اسی طرح رسول بھی اپنے صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور ان کے اخلاف کے ذریعہ کائناتِ روحانی کو منور اور گرلے رکھتا اور اپنی سنت کے ذریعے اخلاقِ کردار کے نکل و نگار پیدا کرتا ہے۔

روشنی کا منارہ

آج اخلاقی حیثیت سے دنیا ایک بُکرائی دور سے گزر رہی ہے۔ عقلا اور دانشور حیران ہیں کہ موجودہ بگڑی ہوئی انسانیت کا علاج کیا جائے تو آخر کیسے اور کیونکر؟ تو یہ بات خوب سمجھ لینی چاہئے کہ موجودہ بے ہمارا در زوال پندہ معاشرہ کا علاج اگر ہو سکتا ہے تو صرف سنتِ نبوی اور اُس کے قائم کردہ اعلیٰ اخلاقی اصولوں ہی کی بدولت موجودہ گھٹا ٹپ مادیکیاں اگر چھٹ سکتی ہیں تو محض سیرتِ نبویؐ کی تجلیوں ہی سے۔ آج کی دُکھی اور ابوس انسانیت کو روشنی کی کوئی کرن نظر آتی ہے تو صرف آفتابِ نبوت ہی میں۔ صحیح علاج کے بغیر موجودہ بیماریاں دُور نہیں ہو سکتی اور سویرا کبھی نہیں سکتا۔ مگر اس کے لئے ضروری ہے کہ بیرونِ رسول سب سے پہلے ”اسوۂ حسنہ“ پر صحیح معنی میں عامل بن جائیں صرف ہر سال میلاد کے چند جلے منعقد کر دینے اور پنڈالوں کو برقی قمقموں سے آراستہ کر دینے سے یہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اس عظیم مقصد کے حصول کے لئے سب سے پہلے اپنے دلوں کو دھونا اور باطنی قمقموں کو روشن کرنا ضروری ہے۔

تبدیلِ اندر سے آتی چاہئے۔ محض بیرونی لپا پوتی سے کچھ نہیں حاصل ہو سکتا۔ شاعرِ اسلام نے خوب فرمایا ہے

جب عشق سکھاتا ہے آدابِ خود آگاہی کھلتے ہیں غلاموں پر اسرارِ شہنشاہی

عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ مسرگاہی

اشتراکیت

ایک قرآنی تمثیل کے رُوپ میں

کیونکہ حقیقت و ماہیت، اُس کے اصل ضد و خال اور اُس کے بھیانک و مکروہ چہرے کی ایک تصویر چند قرآنی انکشافات کی روشنی میں

اشتراکیت ایک قرآنی تمثیل کے روپ میں

کتاب الہی کی تازگی

قرآن مجید ایک ایسی عجیب و غریب اور حیرت انگیز کتاب ہے جس میں قیامت تک پیش آنے والے تمام حالات و واقعات کا نقشہ بڑے اہتمام کے ساتھ کھینچا گیا ہے۔ ہر قسم کے نظریات و تحریکات کی مثالیں بیان کی گئی ہیں اور ان پر بڑے بلیغ اور معنی خیز انداز میں تبصرے کئے گئے ہیں، تاکہ ہر دور میں حق و باطل کے درمیان فرق و امتیاز ہو سکے، جو قرآن کا سب سے بڑا وصف ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے :

تَبَرُّكَ الَّذِي نَزَّلَ الْقُرْآنَ عَلَى عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا :
بڑا ہی بابرکت ہے وہ جس نے اپنے بندے پر فرقان (حق و باطل میں تمیز کرنے والی کتاب) اتار دی تاکہ وہ
سارے جہان کو متنبہ کر سکے۔ (فرقان : ۱)

قرآن حکیم قیامت تک تمام زمانوں کے لئے کتاب ہدایت ہے۔ اس لحاظ سے قرآن حکیم کے آئینہ میں
ہر دور والوں کو اپنی ہی تصویر نظر آتی رہے گی :

لَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ كِتَابًا فِيهِ ذِكْرُكُمْ أَفَلَا تَعْقِلُونَ : ہم نے تمہارے پاس
یقیناً ایک ایسی کتاب بھیج دی ہے جس میں تمہارا تذکرہ موجود ہے۔ کیا تم نہیں سمجھتے؟ (انبیاء : ۱۰)

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِي هَذَا الْقُرْآنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَعَلَّهُمْ
يَتَذَكَّرُونَ : اور ہم نے نوری انسانی کے لئے اس قرآن میں ہر قسم کی مثال بیان کر دی ہے تاکہ وہ متنبہ

یہی وجہ ہے کہ اس کتاب کی جگہ ان آیات میں غور و فکر کرنے کی بار بار تاکید کی گئی ہے۔ بلکہ ایک موقع پر تو تہذیب زدہ کرنے والوں کو ڈانٹا بھی گیا ہے:

أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ أَفْعَالُهُمْ: کیا یہ لوگ قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے لگے ہوئے ہیں؟ (محمد: ۲۴)

ہر دور کے لئے رہنما کتاب

چنانچہ گہرے فکر و تدبر کے باعث اسرار و معارف کے بند دروازے کھل جاتے ہیں اور غور و فکر کرنے والوں کا دامن اس بحرِ حکمت کے موتیوں اور جواہرِ یزوں سے بھر جاتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ آج نو مسلمانوں کی اکثریت اس عظیم اور لاشافی کتاب کو محض چند خشک قسم کے احکام کا مجموعہ یا کوئی داستانِ پارینہ تصور کر کے نظر انداز کئے ہوئے ہے۔ یہ ایک بہت بڑا المیہ ہے کہ قرآن کریم نے یہودیوں کو کسی دور میں کتابِ الہی (قرات) کے پس پشت ڈال دیے کا جو قطعہ دیا تھا:

مَثَلُ الَّذِينَ حُمِّلُوا التَّوْرَةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوهَا كَمَثَلِ الْإِنْحَارِ يُحْمِلُهُمْ ظِلٌ أَظْلَمَ مِنْ الظِّلِّ وَهُمْ لَا يَتَذَكَّرُونَ (مطلب) کے متحمل نہ ہو سکے، اُن کی مثال اُس گدھے کی ہے جس کی پشت پر (بہت سی) کتابیں لاد دی گئی ہیں۔ (محمد: ۵)

وہ آج خود حاملینِ قرآن پر صادق آ رہا ہے اور وہ یوسف بے کاروان بنے ہوئے ہیں۔ اگر کتابِ الہیہ پر غور و بصیرت کی نگاہ سے غور و فکر کیا جائے تو اس میں فروعِ انسانی کے موجودہ تمام "امراض" اور ہر قسم کی ذہنی و دماغی "بیماریوں" کا کافی و شافی علاج مل جاتا ہے۔ اور عالمِ انسانی کی رہبری بڑے کامیاب انداز میں ہو جاتی ہے۔

هُدًى بِلِقَائِ رَبِّكَ وَبِتَبَيُّنِ مِنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ: (یہ قرآن) فروعِ انسانی کے لئے ہدایت نامہ ہے۔ اور (اس میں) رہنمائی اور حق و باطل میں فرق و امتیاز کے دلائل موجود ہیں۔ (بقرة: ۱۸۵)

ربانی انکشاف

قرآن عظیم میں بیسویں صدی کے افکار و نظریات کی تصویر کشی بھی بڑے نرے اور عجیب و غریب انداز میں موجود ہے، جو اُس کے کتابِ الہی ہونے کی قطعی اور فیصلہ کن دلیل ہے۔ چنانچہ آج کی صحبت میں یہی اشتراکیت (کیونزم) پر کلامِ الہی میں جو انکشاف اور تبصرہ موجود ہے، اُس کی مختصر سی تشریح کروں گا۔ چنانچہ اللہ نے روزِ ازل ہی میں جس وقت شیطان کو اُس کی نافرمانی کی بنا پر مردود قرار دیا تھا تو اُسی وقت یہ ازل فیصلہ بھی بنا دیا تھا۔

وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ مِنْ اسْتَطَاعَتْ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَأَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْ لَهُمْ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَذْلَادِ وَعِدْهُمْ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطَانُ إِلَّا غُرُورًا: اور (اللہ نے شیطان سے کہا کہ) تُو فرغِ انسانی میں سے جس پر تیرا بس چلے اُس کو اپنی صدا (دعوت اور پروپیگنڈے کے زور) سے بے گھر کر دے (یعنی اُس کی جائیداد چھین لے) اور ان پر اپنے سوار اور پیادے چڑھا لا۔ (اپنی بات منوانے کے لئے جنگ و جدل سے بھی کام لے) اور اُن کے مال و اولاد میں تو بھی شریک ہو جا۔ (مال و دولت میں مساوات کا نعرہ بلند کر کے) اور ان سے (غوب لے جوڑے) وعدے کر۔ حقیقت یہ ہے کہ شیطان کے وعدے جھوٹی امید دلانے (سبز باغ دکھانے) کے سوا کچھ بھی نہیں۔ (دنی اسرائیل: ۶۴)

ایک شیطانی تحریک

اشتراکیت یا کیونزم پر کم سے کم الفاظ میں اِتنا جامع اور بہترین تبصرہ ممکن نہیں ہے۔ ان مختصر الفاظ میں اعجازی طور پر کیونزم کے اہم ترین اور بنیادی اسرار و نکات کی راز جوئی پوری مہارت فن کے ساتھ کی گئی ہے اور اشتراکیت کی اصل حقیقت کو بالکل عیاں اور بے نقاب کر دیا گیا ہے۔

اس سلسلے میں سب سے پہلی اور بنیادی حقیقت یہ ہے کہ روزِ ازل میں کئے گئے اس خدائی فیصلے اور عظیم الشان ربانی پیش گوئی پر کارل مارکس، لیسن، مارشل اسٹالن، ماؤزے تنگ اور دیگر کیونزم کے بانیوں اور رہنماؤں نے خود اپنے عمل کے ذریعہ مہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔ چونکہ آیتِ بالا میں خطاب براہِ راست شیطان سے ہے، اس لئے "اشارۃ النص" کی رو سے لازمی طور پر اس تحریک کے رہنما شیطان یا اُس کے

ابحاث قرار پاتے ہیں۔ گو یا کہ قرآن حکیم کی نظر میں اشتراکیت (کیونززم) ایک شیطانی تحریک ہے۔ اور اس تحریک کے داعی اور رہنما شیطانی منصوبے کی تکمیل میں لگے ہوئے ہیں۔

آیت بالا میں جو باتیں بیان کی گئی ہیں ان کا ایک ایک لفظ اپنی جگہ برصداقت سے بھرپور ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عظیم آیت گرا آج ہی اور ابھی ابھی نازل ہوئی ہے۔ اب اس سلسلے کے چند حقائق ملاحظہ ہوں:

اشتراکیت کیا ہے؟

۱۔ جائیداد سے بے دخلی

”اور تو نوع انسانی میں سے جس پر تیرا بس چلے اس کو اپنی دعوت کے زور سے بے گھر کر دے۔“ (وَاسْتَغْفِرْ لِمَنِ اسْتَلْعَتْ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ) اس فقرہ کا مصداق حسب ذیل دو باتیں قرار دی جا سکتی ہیں۔ ایک تو اپنی دعوت یا پروپیگنڈے کے زور سے لوگوں کو متاثر کرنا۔ یعنی نادار طبقہ کو ترفیع و تخریب دلا کر انہیں ”سرخ انقلاب“ کے نام پر براہیگتہ کرنا۔ دوسرے یہ کہ نچلے اور پسماندہ طبقے کے ذریعہ شورش برپا کر کے لوگوں کو مال اور جائیداد سے زبردستی بے دخل کر دینا یا لوگوں کی املاک کو قوی یا کمزوری ملکیت STATE PROPERTY قرار دے کر زبردستی ان پر قابض ہو جانا۔ ”استغفار“ (مذہب) اکھاڑنا یا بے گھر کر دینے کے مفہوم میں مال اور جائیداد سے بے دخلی کی یہ ساری شکلیں آسکتی ہیں۔ غرض یہ اشتراکیت کا بنیادی مقصد اور اس کا طریقہ کار ہے۔ اور یہ دو چیزیں کیونززم کے زبردست ہتھیار ہیں جن کے بل بوتے پر وہ پوری دنیا کو مستحضر اور زیر اقتدار کر لینا چاہتے ہیں۔ روس، چین

یہاں پر ”استغفار“ اور ”صوت“ کے الفاظ بڑے اہم ہیں۔ پہلے لفظ کے معنی ہیں: گھبرانا، ڈرانا، کسی کو ہلکا اور خیر سمجھنا، قدم اکھاڑنا اور گھبرے بہر حال دینا، وغیرہ (لغات القرآن)۔ اور ”صوت“ آواز کہتے ہیں۔ جس کا مصداق مفسرین نے لگانے جانے کو بھی قرار دیا ہے اور قرآن کی معصیت انجیر دعوت یا پروپیگنڈے کو بھی دعوت، دعاۃ الی المعصیۃ اللہ۔ قیل اُرَادَ بِمَعْنَى الْغَنَاءِ وَاللَّهُ وَاللَّعِبِ (تفسیر کبیرہ ص ۴۴۴)۔ بصوتک مدعاۃ بالغاۃ والمرامیر وکلان الی المعصیۃ (تفسیر)

اور دیگر اشتراکی ملکوں میں ”سرخ انقلاب“ اسی طریقے سے برپا ہوا ہے۔ اور آج جنوبی و مغربی ایشیا، یورپ اور افریقہ کے اکثر ملکوں میں بھی اسی طریقے سے انقلاب لانے کی تیاریاں اور منظم سازشیں کی جا رہی ہیں۔

مذکورہ بالا فقرہ کے مطابق یہ حقیقت ہے کہ جب تک ان کا بس نہیں چلتا یعنی جب تک کوئی نیا ملک ان کے زیر اثر نہیں آجاتا وہ اپنے غرضناقص کے نظریات کا پرچار اور پروپیگنڈا کرتے رہتے ہیں اور ہر جائز و ناجائز طریقے سے اپنے مقصد کے حصول میں کوشاں رہتے ہیں۔ جب ان کو اپنے مقصد میں کامیابی حاصل ہو جاتی ہے اور کوئی ملک ان کے زیر نگیں آجاتا ہے تو پھر تمام شخص و انفرادی املاک PERSONAL PROPERTY پر سرکار کے نام سے قبضہ کر لیا جاتا ہے یا سوشلزم کی فسون کاری کے ذریعہ ”کاہلوں اور کام چوروں“ کو بھی املاک و جائیداد میں برابر کا حقدار و حصہ دار قرار دے دیا جاتا ہے۔ اسی کو قرآن ”بے گھر کرنا“ کہتا ہے۔

کیونززم اور سوشلزم میں فرق صرف یہی ہے کہ پہلا بڑا بھائی ہے اور دوسرا چھوٹا بھائی۔ اول کی نظر میں کوئی شخص اپنی ذاتی ملکیت رکھنے کا مجاز نہیں رہتا۔ (”کیون“ کے معنی ”اجتماعی فارم“ کے ہیں، جس سے لفظ کیونززم بنا ہے)۔ اور ثانی اس بات کا قائل ہے ہر شخص اپنی ذاتی ملکیت دوسروں کے حوالے کر دے۔ سوشلزم کیونززم کی طرف پہلا قدم اور اولین منزل ہے۔

۲۔ جبر و استبداد

”اور ان پر اپنے سوار اور پیادے چڑھا لا“ (وَاجْلِبْ عَلَیْہِمْ بِجُنْدِکَ وَرَجِلِکَ) اس کا صاف مطلب ہے جنگ و جدل کا بازار گرم کرنا۔ ”اجلب“ کا لفظ ”اجلاب“ (باپ افعال) سے مشتق ہے، جس کے معنی ہیں اکھٹا کرنا، شور مچانا اور کھینچ لانا۔ (لغات القرآن)

اس فقرہ کی بہترین تفسیر کوریا، ویٹ نام اور انڈونیشیا وغیرہ پر بالواسطہ طور پر اور ہندوستان پر براہ راست چین کی یورش، نیز رومانیہ، ہنگری اور چیکو سلواکیہ وغیرہ پر روس کی یلغار ہے۔ اس تحریک کے قائدین کی لپٹائی ہوئی نظریں پورے ایشیا، افریقہ اور یورپ پر لگی ہوئی ہیں۔ خصوصیت کے ساتھ مشرق وسطیٰ کے ممالک، بلا و عربیہ پر۔ جس کے محل وقوع اور جغرافیائی حیثیت کی انتہائی اہمیت ہے۔

آج کچھ عرب رہنا بھی ان کے دامنِ تزدیر اور طاغوتی فریب میں آکر اشتراکیت کا نعرہ بلند کر رہے ہیں۔ انڈونیشیا اور فلپین وغیرہ میں اگرچہ یہ تحریک عارضی طور پر پسپا اور اُس کے پرکشش ہتھیار ناکام ہو چکے ہیں مگر اندرونی سازشیں اور ریشہ دوانیاں برابر جاری ہیں۔ وقفہ وقفہ سے شورشیں برپا ہوتی رہتی ہیں۔ اور آج پاکستان (اور افغانستان) بھی سُرخ انقلاب کی زد میں آچکا ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ آج زیادہ تر مسلم ممالک ہی کمزور کی طرح و آؤ کا شکار بنے ہوئے یا اُس کی لٹ پر چڑھے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ کیونکہ جغرافیائی نقطہ نظر سے یہ ممالک دنیا کے اہم ترین خطوں کے مالک ہیں، جن پر قبضے کے بعد عالمی سیاست کی بساط اُلٹی جاسکتی ہے۔ اور مخالفوں کو ڈپلومیسی کے ہر میدان میں شکست دی جاسکتی ہے۔

کیونکہ کمزور کا خیر زبردستی، جبر و استبداد، شورش، توڑ پھوڑ اور مار دھاڑ کے عناصر سے مرکب ہے۔ او کیونکہ ٹھکانے، سنجیدگی اور بُرد باری کے ساتھ کام کرنا اور صبر و سکون کے ساتھ اپنے نظریات کا پرچار کرنا بچتا ہی نہیں۔ ایسا نڈاری اور اخلاقی قیود و ضوابط وغیرہ ان کے نزدیک دقیانوسیت کی نشانی ہیں اور مقصد برآری کے لئے ہر قسم کے جھگڑے جائز اور روا ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ہر وقت اپنی آستین چڑھائے رہتے ہیں۔ اور جب بھی کوئی موقع ملے جبر و تشدد پر اتر آتے ہیں۔ جیسا کہ انڈونیشیا کی سُرخ اور خونی بغاوت شاہد ہے۔ جس میں تقریباً پانچ لاکھ افراد تہ تیغ ہوئے۔ پچھلے برسوں ہندستان پر چینی جارحیت بھی اس سلسلے میں ایک ثبوت ہے۔ اور آج ہندستان کے مختلف علاقوں میں عموماً اور بنگال میں خصوصاً ”نکسلیوں“ نے اشتراکیت کے نام پر جو آدم و دھما جو کڑی اور طوفانی بدتمیزی مچا رکھا ہے وہ کسی تبصرہ کا محتاج نہیں ہے۔ خود روس اور چین میں سُرخ انقلاب لاکھوں افراد کی لاشوں پر سے گزر کر آیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ”سُرخوں“ نے زمین والوں کی زندگی اجیرن کر دی اور دھرتی کا امن و امان اور چین و سکون غارت کر دیا ہے۔ ان تمام حقائق کی روشنی میں یہ ربانی فقرہ ایک عظیم صداقت کی حیثیت رکھتا ہے۔

۳۔ خوشنما فقرہ

”اور تُو ان کے مال و اولاد میں شریک ہو جا“ (وَشَارِكْهُمْ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ) یہ کلمہ نہ کہ بنیادی فقرہ ہے۔ یعنی گھربار اور مال و دولت وغیرہ میں تمام لوگوں کے اشتراک یا برابر حصہ داری

کا دعویٰ۔ اس فقرے کے دو مطلب ہو سکتے ہیں: (۱) کیونکہ رہنماؤں کا عوامی ملکیت میں بلا استحقاق شرکت یعنی محنت کریں عوام اور ان کے ثمرات میں شرکت کریں ان کے رہنا، بالکل کام چروں کی طرح۔ (۲) محنت کریں چند لوگ اور نتائج میں شرکت کریں تمام لوگ۔ بہر حال اسی پرکشش فقرہ کے بل بوتے پر کیونکہ ابتداً بے روزگار اور کم حیثیت والوں کو آگے اور اُبھارتے ہیں اور انہیں بے وقوف بنا کر اپنا آلا کار بنا لیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس طمع و لالچ کے بغیر عوام کیونٹوں کا ساتھ دینے پر تیار نہیں ہو سکتے۔ جب عوام ہی تیار نہ ہوں گے تو پھر ”سُرخ انقلاب“ کیسے برپا ہوگا؟ لہذا عوام کو بہکانے اور برا بھونکنے کرنے کے لئے زمین، مکان اور روٹی وغیرہ میں برابر برابر حصہ داری کا لالچ ایک بہت بڑا حربہ اور سیاسی چال ہے جس کے بغیر اپنے مقصد کی تکمیل ممکن نہیں۔

۴۔ فسوں کاری

”اور تُو ان سے خوب وعدے کر“ (وَعِدْهُمْ) واقعہ یہ ہے کہ کیونٹ اپنی مقصد برآری یعنی حکومت پر قبضہ کرنے کے لئے پسماندہ طبقے سے خوب بے چوڑے وعدے کرتے ہیں یعنی فقرہ ۲ کے مطابق وہی مال و متاع میں ”اشتراکیت“ خوش معاشی، آسودگی، عیش و عشرت کے وعدے اور قسم ہا قسم کی اُمیدوں کا انبار لگانا۔ چونکہ یہ ایک انتہائی پرکشش اور مقناطیسی فقرہ ہے، جو نچلے طبقے کے لئے جنت کے وعدے سے کسی بھی طرح کم نہیں ہے۔ اس لئے وہ فوراً ان کے جھنڈے تلے جمع ہو جاتے ہیں۔ پسماندہ طبقہ ہی وہ واحد طبقہ ہے، جس پر اشتراکیت کی یہ فسوں کاری چل سکتی ہے یا وہ بہت جلد ان کے ہر کاوے میں آسکتا ہے۔ لہذا ان کی اُمیدوں کا مرکز اور ان کی جدوجہد کا لٹا و ماویٰ ہمیشہ مزدور اور بے روزگار طبقہ ہوتا ہے۔ دُنیا میں جہاں جہاں سُرخ انقلاب برپا ہوا ہے، وہ اسی طبقے کے ذریعہ برپا ہوا ہے۔

۵۔ سراپ حقیقت

”مگر حقیقت یہ ہے کہ شیطان کے وعدے جھوٹی اُمید دلانے کے سوا کچھ بھی نہیں“ (وَمَا يَعِدُكُمُ الشَّيْطَانُ إِلَّا غُرُورًا) اس ربانی فقرہ کی صداقت آج ایک تاریخی حقیقت بن چکی ہے۔ چنانچہ خود کیونٹ کمزور کے گڑھ (روس) میں آج کیونٹ کمزور کی طرح ناکام ہو چکا ہے۔ اس تحریک کے موجودہ رہنما بال اصل

”انسانی فطرت“ کی طرف آہستہ آہستہ لوٹ رہے ہیں۔ کیونکہ کیونزم ایک بالکل مصنوعی اور غیر فطری نظام ہے جو جبر و تشدد کے بغیر ایک دن کے لئے بھی نہیں چل سکتا۔ اور ”کوڑے“ کو حرکت میں لانے یا سروں پر بنگی تلوار تانے بغیر لوگ برضا و رغبت اجتماعی فارموں (کیونز) میں کام کرنے کے لئے کبھی آمادہ نہیں ہو سکتے۔ اور دوسری حیثیت سے ہجر کیونزم کے نفاذ کے بعد ”پیداوار“ PRODUCTION میں بے انتہائی ہوجاتی ہے۔ کیونکہ کوئی بھی شخص اپنی ذاتی ملکیت کے تصور کے بغیر شخص سرکاری خزانوں کو بھرنے کے لئے پوری رغبت اور دلچسپی کے ساتھ کام بھی نہیں کر سکتا۔ یہ انسانی فطرت کا خاصہ اور اہل صداقت ہے۔ لہذا یہ غیر فطری جنگ کوئی کب تک لاسکتا تھا؟ یہی وجہ ہے کہ روسی کامریڈوں نے اب ہتھیار ڈال کر مختلف قسم کی ”اصلاحات“ شروع کر دی ہیں اور قوانین بھی کافی حد تک نرم کر دیے ہیں۔ آخر کار روس میں ذاتی ملکیت کا حق ایک محدود پیمانے پر تسلیم کر لیا گیا ہے، جس کے باعث نتائج میں حیرت انگیز تبدیلی آچکی ہے۔ یعنی شخصی اداروں میں سرکاری اداروں کے مقابلہ میں ”پیداوار“ خوب زوروں پر ہے۔ روسی اصلاحات نے چینی کامریڈوں کو ناراض کر دیا ہے اور وہ علانیہ الزام لگاتے ہیں کہ روسیوں نے مارکسزم میں تحریف کر کے اس کے چہرے کو مسخ کر دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج اشتراکی ممالک دو متحارب کیمپوں میں بٹ گئے ہیں اور اشتراکیت میں جگہ جگہ رخسے پڑ چکے ہیں۔

اشتراکی ملکوں سے ادیبوں، فنکاروں اور دانشوروں کا بھاگنا اور غیر اشتراکی ملکوں میں پناہ لینا بھی اسی حقیقت کا غماز ہے کہ وہاں کے عوام نہ تو کیونزم سے مطمئن ہیں اور نہ ان کو وعدے کے مطابق وہاں پر کسی قسم کی آزادی یا خوش معاشیاں حاصل ہیں۔ چین کی حالیہ خانہ جنگی بھی اسی حقیقت کا مظہر تھی۔ کیونکہ اب ہر جگہ یہ احساس عام ہوتا جا رہا ہے کہ کیونزم کے رہنماؤں نے پبلک سے جو وعدے کئے تھے وہ محض ایک سبز باغ تھا۔ جس کی حقیقت سراب سے زیادہ نہیں ہے۔

غور فرمائیے کہ یہ تمام نکات کتنے مربوط و منظم اور حکیمانہ انداز میں بیان ہوئے ہیں۔ گویا کہ عنصر حاضر کے حالات و واقعات کا ایک مختصر سا مگر بڑا جامع خاکہ و نقشہ کھینچ کر رکھ دیا گیا ہے۔ ایک حدیث میں ہے: ”قرآن میں تم سے پہلے کے واقعات بھی ہیں اور تمہارے بعد والوں کی خبریں بھی۔ وہ تمہارے تمام معاملات میں

قاضی و جج ہے۔ وہ ایک فیصلہ کن کلام ہے۔ کوئی ہنسی مذاق نہیں؟ (ترمذی)

۳۔ اشتراکیت، سرمایہ داری اور اسلام

اشتراکیت اور سرمایہ داری

واقعہ یہ ہے کہ کیونزم سرمایہ داری CAPITALISM سے بھی زیادہ خطرناک اور بدترین چیز ہے۔ اس لئے کہ ملکیت اور سرمایہ داری ہم اذکم عوام کو اپنے ذاتی مال اور ذاتی جائیداد رکھنے، نیز آزادی رائے اور آزادی تقریر کا حق تو باقی رہتا ہے۔ مگر کیونزم میں سوائے دو وقت کی روٹی کے کسی بھی چیز پر اپنا حق باقی نہیں رہتا۔ حتیٰ کہ اپنی اولاد تک کو حکومت کے حوالے کر دینا پڑتا ہے۔ بیوی پر بھی کسی قسم کی بالادستی قائم نہیں رہتی۔ دونوں کی راہیں جدا جدا رہتی ہیں۔ شوہر کسی فارم میں ہے تو بیوی کسی دوسرے فارم میں اور بچے حکومت کی تحویل اور سرکاری اداروں میں، جہاں پر ان کو اشتراکی نظریات اور اس کے فلسفے کی تعلیم اور تحریک دینی کی ٹریننگ دی جاتی ہے۔ اس طرح شروع ہی سے ان کی تربیت اشتراکی خطوط پر کی جاتی ہے۔ گویا کہ اشتراکیت نو مولود بچوں کی گٹھلی میں ڈال دی جاتی ہے۔ پھر اس قسم کا نظام رائج ہے۔ ہر چینی مرد اور عورت کو دن رات اجتماعی فارموں (کیونز) میں لگھوں اور غجروں کی طرح کام کرنا اور اپنے آقاؤں (کامریڈوں) کے حکم کے منظر ہٹنا پڑتا ہے۔ تب کہیں انہیں دو وقت کی روٹی ملتی ہے۔ چینی مزدور دن بھر کیتوں اور کارخانوں میں رہتا ہے اور راتوں کو بارکوں یا اجتماعی ”مواشی خانوں“ میں۔ حقیقت یہ ہے کہ چینیوں کی اکثریت آج جانوروں سے بھی بدتر ہے۔ کہتے ہیں کہ بلی جب اپنے آپ کو مجبور پاتی ہے تو کتے پر بھی جھپٹ پڑتی ہے۔ چنانچہ چینی عوام نے بھی مسلسل ظلم و ستم اور جبر و استبداد سے تنگ آکر ابھی حال ہی میں بغاوت کر دی تھی جس کو فرو کرنے کے لئے خون کی ندیاں بہا دی گئیں۔

اشتراکیت اور سرمایہ داری میں اس حیثیت سے کوئی فرق نہیں ہے کہ تمام ذرائع معاش کی باگ ڈور چند گئے چنے افراد کے ہاتھوں میں آجاتی ہے، جس کے نتیجے میں بالادست طبقہ اپنی من مانی کرتا اور خوب گلچلے لٹا رہا ہے۔ انہی مخصوص افراد کو اشتراکی حلقوں میں ”کامریڈ“ COMRADE کہا جاتا ہے تو غیر اشتراکی

حلقوں میں ان کا نام "سرایہ دار" یا راجہ اور بادشاہ وغیرہ قرار پایا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ پہلی صورت میں ان میں بھراؤ کی داری پوشیدہ رہ جاتی ہے۔ مگر دوسری صورت میں ظاہر ہو جاتی ہے۔ اگر کوئی کامریڈ یا "مادرن راجہ" اپنی ذات پر لاکھوں روپے خرچ کرتے تب بھی وہ صرف کامریڈ اور غریبوں کا منس اور ہمدرد و غمخوار ہی رہتا ہے۔ اور اس کی اشتراکیت پر بھی کوئی حرف نہیں آتا۔ مثال کے طور پر ایک مینی صدر یا وزیر اعظم کو جو سہولتیں، آسائشیں اور خوش معاشیاں حاصل ہیں وہ کسی فارم میں کام کرنے والے مزدور کو ہرگز حاصل نہیں ہیں۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ ایک مزدور کے رہن سہن اور ایک فنکار یا ڈاکٹر یا انجینئر یا سائنس دان وغیرہ کے رہن سہن میں بھی کھلا فرق ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے کامل مساوات اور برابری کا دعویٰ کہاں باقی رہا؟ حقیقت یہ ہے کہ معاشی نقطہ نظر سے ادنیٰ و اعلیٰ کا فرق مٹا دینا ناممکن اور محال بلکہ فطرت کے خلاف ایک جنگ ہے، جو کبھی جیتی نہیں جا سکتی۔ معاشی حیثیت سے طبقاتی نظام کے قیام اور افراد کی صلاحیت و کارکردگی کے مطابق فرق و امتیاز کے بغیر دنیا کا نظام چل ہی نہیں سکتا۔

حاصل یہ کہ اشتراکیت اور سرمایہ داری میں صرف الفاظ کا ہی پیر پیر اور اصطلاحوں کا فرق ہے، ورنہ حقیقت کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں۔ اشتراکی اپنے آپ کو "پروٹاری" اور غیر اشتراکیوں کو "بورژوائی" کہتے ہیں۔ مگر یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ یہ خود ہی نہایت بدترین قسم کے بورژوائی ہیں۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ "بالائی طبقہ" خواہ سرمایہ دار ہے یا کامریڈ بن جائے دونوں ہی صورتوں میں عوام و دی کو لوہو کے میل ہی میل رہتے ہیں۔ کیونکہ "اقتصادی سدھار" کے روپ میں ایک خطرناک تحریک اور غولی ہنگامہ آرائی ہے، جس کی اصلیت آج پوری طرح بے نقاب ہو چکی ہے۔ اور اس کا مکروہ اور بھیانک چہرہ پوری طرح عیاں ہو چکا ہے۔

یہ ہے "شیخانی وعدوں" کی سیتہ مت اور "شیخانی تحریک" کی صحیح تصویر۔ غور فرمائیے کہ صرف ایک آیت کریمہ میں کس قدر حقائق و معارف و دیعت کر دیئے گئے ہیں! اگر اس عظیم اور ناقابل فراموش آیت پاک کی مفصل تشریح و تفسیر کی جائے تو بجائے ایک ضخیم کتاب وجود میں آ سکتی ہے۔

لہٰذا ہر ساج کے طرز کا طبقاتی نظام نہیں جو سفاک جلا کرتا ہے، بلکہ افراد کی صلاحیت و کارکردگیوں کے مطابق فطری نظام

اسلامی نظام زکوٰۃ

اشتراکیت ہو یا سرمایہ داری دونوں ہی عوام کے سخت دشمن ہیں۔ ایک کی دشمنی کھلی ہوئی ہے تو دوسرے کی پوشیدہ۔ مگر حقیقت کے لحاظ سے دونوں ہی ایک قہیل کے چپے بٹے ہیں۔ چنانچہ اقبال جیسے نباض اور "ماہر امراض" نے اشتراکیت کی نبض درنار کو دیکھ کر اس کے "امراض" کی صحیح صحیح تشخیص بہت پہلے کر دی تھی۔

قوموں کی روش سے مجھے ہوتا ہے یہ معلوم ہے سود نہیں روس کی یہ گرئی رفتار
اندیشہ ہوا اشوخی افکار پہ مجبور فرسودہ طریقوں سے زمانہ ہوا بیزار
انسان کی ہوس نے جنہیں رکھا تھا چھپرے کھلتے نظر آتے ہیں بتدریج وہ اسرار

اب اشتراکیت و سرمایہ داری کی اس اونچ نیچ اور افراط و تفریط کے درمیان اسلام کی قابل عمل سیدھی و متوازن اور بہترین فطری تعلیم یہ ہے کہ ہر فرد اپنا ذاتی مال اور ذاتی جائیداد جتنی چاہے رکھ سکتا ہے، تاکہ کسی بھی فرد کی فطری و ذاتی صلاحیتیں رنگ آلود نہ ہونے پائیں اور اس کی امنگیں اور دلوں سے سرد نہ ہوجائیں۔ مگر اس پر یہ فریضہ عائد کیا گیا ہے کہ وہ علاوہ نقلی صدقات و خیرات کے سال میں ایک مرتبہ اپنے زائد اور بڑا مال پر ڈھائی فی صد کی آسان اور قابل عمل شرح کے ساتھ زکوٰۃ — بحیثیت ایک دینی فرض کے — ادا کرے۔ اسلامی قانون کے تحت اسلامی حکومت کا یہ فرض ہے کہ وہ ملت کے مال دار افراد سے زکوٰۃ وصول کر کے غریب اور ناداروں یا معاشی جدوجہد کے میدان میں بچے رہ جانے والوں پر صرف کرے۔ اگر اسلام کے نظام زکوٰۃ کے مطابق صحیح بیانے پر کام کیا جائے تو پھر غربت و مفلسی کا خاتمہ اور ہر طرف خوش حالی کا دور دورہ ہو سکتا ہے۔ جس طرح کہ اموی خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کے دور میں دنیا خوش مالی کا ایک مثالی نظامہ کر چکی ہے۔ چنانچہ اس وقت لوگ زکوٰۃ کی رقم لے کر مستحقین کی تلاش میں نکلتے تھے مگر کوئی لینے والا نہیں ملتا تھا۔

اس طریقے کے مطابق دولت و حقیقت ایک جگہ جمع نہیں رہتی بلکہ ہر سال مسلسل گردش کرتی رہتی ہے۔ جس کے باعث معاشی ناہمواریاں بہت بڑی حد تک دور ہو جاتی ہیں۔ بشرطیکہ صحیح طریقے کے مطابق اور پورے اخلاص کے ساتھ کام کیا جائے۔

خلاصہ بحث یہ کہ آج کی حاشی بے چینی کا علاج نہ سرمایہ داری ہے اور نہ کیونزم۔ بلکہ اس کا حقیقی علاج اور شافی نسخہ صرف اسلام کے پاس موجود ہے، جو غریبوں کا بہترین اور سچا دوست ہے۔ اب کوئی اسلامی ملک اس اسلامی نسخہ کو آزما کر تو دیکھے کہ اس سے کتنے کامیاب نتائج برآمد ہو سکتے ہیں انہوں تو اس بات کا ہے آج اسلام خود مسلمانوں ہی میں بیگانہ ہو گیا ہے۔ اگر آج دنیا کے کسی بھی مسلم ملک میں اسلام کا صحیح صحیح نظام رائج ہوتا تو وہ دوسرے ملکوں کے لئے بھی ایک نمونہ اور آئیڈیل بن سکتا تھا۔ اب اگر کوئی مسلم ملک اسلام کے اس فطری اور معقول نظام کو ترک کر کے اُلٹے "شیطانِ تحریک" ہی کا ہمنوا اور علمبردار بن جائے بلکہ اس طاغوتی نظام کو اسلامی نظام ثابت کرنے کے درپے ہو جائے تو آپ اس کو کیا کہیں گے؟

کوئی بتاؤ کہ ہم بتلائیں کیا؟

بہر حال اگر کوئی علی اعتبار سے اس حقیقت کو تسلیم کرے یا نہ کرے مگر نظریاتی اعتبار سے یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ اسلامی تعلیمات سے بڑھ کر سادہ، محکم، متوازن اور قابل عمل اصول دنیا کے سامنے کسی بھی مذہب یا کسی بھی ازم" نے پیش نہیں کئے۔ اب دنیا کو یقیناً ایک نہ ایک دن اسلام کے جنوں میں جھٹکنا ہی پڑے گا اور اُس کے ٹھنڈے سائے اور چشمہ شیریں کی طرف آنا ہی پڑے گا۔ جس میں پورے عالم انسانی کی فلاح و کامرانی اور امن و سکون کا راز مضمر ہے۔

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ : وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ وہ اُسے دوسرے تمام دینوں پر غالب کر دے۔ (فتح : ۲۸)

مُفکرِ اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی چند اہم شاہکار تصنیفات

نبیِ رحمتؐ مکمل
حدیث کو بنیادی کردار
معرکہ ایمان و مادیات
پرانے چراغِ مکمل (دو حصے)
ارکانِ اربعہ
نقوشِ اقبال
کاروانِ مدیریت
فتاویٰ نہایت
تعمیرِ انسانیت
حدیثِ پاکستان
اصلاحیات
صحفے باہلِ دل
کاروانِ زندگی مکمل
مذہب و تمدن
دستورِ حیات
حیاتِ عبدالمعینؑ
دوستِ خدا و تصورِ میر
تحفہٴ پاکستان
پاجامہ سراغِ زندگی
حالمِ عربی کا المیہ

تاریخِ دعوت و عزیمتِ مکمل (دو حصے)
مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش
انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر
منصبِ نبوت اور اُن کے عالی مقام حاملین
دربائے کابل سے دربائے یرموک تک
تذکرہ فضل الرحمنؒ گنجِ مراد آبادیؒ
تہذیب و تمدن پر اسلام کے اثرات و احسانات
تبلیغِ دعوت کا معجزانہ اسلوب
مغرب سے کچھ صاف صاف باتیں
نئی دنیا (امریکہ) میں صاف صاف باتیں
جب ایمان کی بیماری
مولانا محمد ایساں اور اُن کی دینی دعوت
حجاز مقدس اور بسنیرۃ العرب
عصرِ حاضر میں دین کی تعلیم و تشریح
تزکیہ و احسان یا تصوف و سلوک
مطالعہ قرآن کے مبادی اصول
سوانحِ شیعہ، الحدیث مولانا محمد زکریاؒ
خواتین اور دین کی خدمت
کاروانِ ایمان و عزیمت
سوانح مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ

ناشر: فہمیل رقی ندوی — فون ۶۲۱۸۱۷-۶۲۰۸۹۹

مجلسِ نشریاتِ اسلام، ناظم آباد منیشن۔ ا۔ کے۔ سہ ناظم آباد کراچی ۱۸